

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ

ماہنامہ

دوست

جلد ۱

شمارہ ۵

MONTHLY HOSILA

ستمبر ۲۰۱۵ء ذوالقعدہ / ذو الحجۃ ۱۴۳۶ھ

جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے

حضرت امیر المؤمنینؑ دنیا سے جا کر بھی جیت چکے ہیں اور فتح و کامیابی کی علامت بن گئے ہیں امریکہ اور اس کے حواری دنیا میں رہ کر بھی ذلت کے گڑھوں میں دفن ہو چکے رسوائیوں کی جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔

کیا بھارت جنگ کی
تیاری کر چکا ہے؟

سادگی۔

بہادری اور استقامت
کا استعارہ

آؤ پھر سے
اسلام پر ایمان
پیدا کریں۔

نامہ مبارک حضرت سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وصال مبارک ۱۱ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ نامہ مبارک آپ نے نجاشی شاہِ حبشہ (وفات رجب ۹ھ) کو دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ یہ خط عمرو بن امیہ ضمیری لے کر گئے تھے۔ جب یہ خط نجاشی کو ملا تو اس نے اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ اسلام قبول کیا، حق کی شہادت دی، ہاتھی دانت کا ڈبہ منگوا کر اس میں نامہ مبارک کو رکھا اور کہنے لگا کہ جب تک یہ خط حبشہ میں رہے گا اہل حبشہ بخیریت رہیں گے۔ (خطوط ہادی اعظم)

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حبشہ کے عظیم بادشاہ نجاشی کی طرف۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی حقیقی بادشاہ ہے، وہ تمام عیبوں سے پاک ہے، امن دینے والا اور سب کا نگہبان ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) اللہ کی روح اور اس کا حکم ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول، طیبہ، عفیفہ کی جانب القا کیا کہ وہ اللہ کے نبی (حضرت عیسیٰ کی والدہ بنیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو (حضرت مریم میں) پھونک دیا جیسا کہ اس نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) کو اپنے دستِ قدرت سے بنایا۔ اور میں تجھے اللہ کی طرف اور اس کی اطاعت و فرمان برداری کی محبت کی طرف بلاتا ہوں، جو ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور اس پر یقین کرے جو اللہ کی طرف سے میرے پاس آیا ہے (یعنی قرآن)۔ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ اور میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا اور تمہیں نصیحت کر دی۔ پس تم میری نصیحت قبول کرو۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

صفحات مجلہ

5	اداریہ جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
7	جنگ کی تیاری!
9	سادگی، بہادری واستقامت کا استعارہ!
11	مرد درویش مر و قلندر!!!
15	امت کا ایک عظیم سپوت!
19	آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کریں!
25	اللہ پر توکل کیجیے!
27	معاشرے کی اصلاح
30	حجاب!
32	ہم کیوں؟
34	جنت کی تلاش!
37	مقصد تخلیق آدم؟
42	شام کے فضائل!
47	عید الاضحیٰ پر ہم کیا کریں؟

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

إِنَّ اللَّهَ لَيَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ-

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سد باب کر دیتے ہیں جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-

الْإِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ أَخَوَانِ تَوَامِلَانِ لَا يَصْلُحُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا إِلَّا

بِصَاحِبٍ فَالْإِسْلَامُ أَسُّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَا لَا أَسَّ لَهُ

لِيَهْدُمَ وَمَا لَا حَارِسَ لَهُ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی

ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک

عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی

بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)



monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور
پر مغز تحسیریں اس برقی پتہ
پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk

facebook.com/ehtadal

twitter.com/molanaismatulah

www



”مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ،

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ، وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا۔“

ترجمہ:- اہل ایمان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنا وہ عہد سچ کر دکھایا جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا،
سوان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی اور بعض وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے کچھ بھی تبدیلی نہیں کی

جو وعدہ وفا کر گئے۔۔۔۔۔

عبدالرزاق و احمد و البخاری و الترمذی و النسائی و ابن ابی داؤد نے المصاحف میں، والبعوی و ابن مردویہ و البیہقی نے اپنی سنن میں، زید بن ثابتؓ سے روایت کیا،
کہ ہم نے مصاحف میں سے ایک مصحف کو لکھا تو سورہ احزاب میں سے ایک آیت نزل سکی، جو میں رسول اللہ ﷺ سے سنا کرتا تھا کہ آپ ﷺ اس کو پڑھتے تھے اس آیت کو
کسی کے پاس نہ پایا، مگر خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا، سو میں نے اس کو مصحف میں سورہ احزاب میں ملا دیا۔

جنت کا شوق

یہاں مفسرین کرامؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جو حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میرے چچا انسؓ بن النضر غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے
تھے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کا مشرکین سے جنگ کرنے کا یہ پہلا موقع تھا میں جس میں شریک نہ ہوا، اب اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جنگ
کرنے کا موقع دیا تو میں جان جو کھوں میں ڈال کر دکھا دوں گا۔ جب غزوہ احد کا موقع آیا تو یہ اس میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو جب ظاہری شکست ہو گئی تو بارگاہ
الہی میں عرض کیا کہ ایمان والوں نے جو کچھ کیا میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور مشرکین نے جو کچھ کیا میں اس سے برأت ظاہر کرتا ہوں، یہ کہہ کر آگے بڑھے،
مشرکین کی طرف جارہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذؓ سے ملاقات ہو گئی اور ان سے کہا میرے رب کی قسم! مجھے احد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی
ہے اس کے بعد لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ان کی نعش ملی تو چونکہ مشرکین نے ان کے ناک کان کاٹ دیئے تھے جس سے چہرہ بدل
گیا تھا اس لیے انگلیوں کے پوروں سے ان کی بہن نے انہیں پہچانا، شام کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم پر اسی سے کچھ اوپر تلوار، نیزہ اور تیر کے زخم تھے ہم سمجھتے تھے کہ یہ
آیت حضرت انسؓ بن نضر اور ان جیسے اصحاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ”ذکرہ البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۲۰“

الحاکم وصحیحہ و عقبہ الذہبی اور بیہقی نے دلائل میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب احد سے واپس لوٹ رہے تھے تو مصعبؓ بن عمیر کے پاس سے
گزرے وہ شہید ہو چکے تھے آپ ﷺ ان پر کھڑے ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ پھر یہ آیت ”مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ“ تلاوت کی۔
پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک گواہ ہوں گے تم لوگ ان کے پاس آیا کرو اور ان کی زیارت کیا کرو اس ذات کی قسم جس کے
قبضہ میں میری جان ہے کہ کوئی آدمی قیامت کے دن تک ان پر سلام کرے گا تو یہ اس کا جواب دیں گے۔

اس دور میں اس آیت کی مصداق پر ہم اگر غور کریں تو نظر آتا ہے کہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد بھی انہی میں سے ایک ہیں کہ جو ہر دم اپنے رب سے کیے گئے وعدہ کو وفا
کرنے کے انتظار میں رہے اور وقت آنے پر انہوں نے اپنے رب سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دکھایا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں ایک موقع عطا کیا اور انہوں نے اپنے
رب سے کیا ہوا وعدہ افغانستان کی سرزمین پر پورا کر دکھایا اور مسلمانوں کو خلافت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، خلافت کی برکتوں اور سعادتوں کا اس ”مظلوم امت مسلمہ“
کو تعارف کروایا، حتیٰ کہ مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ نظام ”نظام خلافت راشدہ“ کا دور یاد آ گیا اور مسلمان پھر سے اس دنیا پر خلافت راشدہ کے نظام کو
قائم کرنے کے لیے متحد ہو گئے اور اپنے اپنے تین جد و جہد شروع کیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام جد و جہد کو شریعت کے منہج پر چلاتے ہوئے کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

پیدا ہوتے رہے ، انہوں نے اپنے دوست بڑھائے اور دشمن کم کیے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ کو کبھی اپنی بیعت کروانے کا شوق اور جنون نہیں تھا نہ ہی کبھی انہوں نے جہاد کرنے والوں پر زور دیا کہ آئیں اور بیعت کریں، نہ ہی بیعت توڑ کر یا امارت چھوڑ کر جانے والوں کو باغی قرار دیکر لٹھ اٹھائی۔ وکیل احمد متوکل ، ملا عبد السلام ضعیف اور کچھ اور رفقاء گھروں میں جا بیٹھے۔ مگر امیر المؤمنینؑ نے ان کا ناطقہ بند کرنے کا کبھی نہ سوچا۔ سلام امیر المؤمنینؑ! آج چھوٹی موٹی طاقت رکھنے والے امراء اور جماعتوں کے لیے امیر المؤمنینؑ کی زندگی کا یہ گوشہ قابل تقلید ہے، وہ اس نمونے پر عمل کر کے اپنے جہادی اموال اور قوت کو حقیقی دشمنوں پر صرف کر کے اجرِ کثیر کما سکتے ہیں۔

حضرت امیر المؤمنینؑ نے افراد کو اپنی ذات سے جوڑنے کی بجائے جہاد اور دین سے جوڑنے کی کوشش کی، کبھی بھی ان کی تحریر اور تقریر میں ذات کا تذکرہ ہی ملے گا، نہ اپنی ہجرت کے بوجھ کا تذکرہ، نہ ہی اپنی روپوشی کے احوال سننے پڑھنے کو ملیں گے۔ حالانکہ اہل ایمان انکی زندگی کے ان پوشیدہ گوشوں سے باخبر ہو کر نورِ ایمان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ کردار کے ایسے مہر تاباں بنے ہیں جو خود اہل نظر کو دکھائی دے رہے ہیں۔

حضرت امیر المؤمنینؑ نے ظاہری مصلحت کا بوجھ اٹھا کر بزدلی کی دلدل میں دھسنے کی بجائے ہمت و استقامت کے رکاب پر پاؤں جمائے اور شیخ اسامہؓ کو امریکہ کے حوالے کرنے کی بجائے سینہ ٹھوک کر امریکہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

آئیں صوبوں کی حکومت کو قربان کر کے شریعت کے ایک اصول کی حفاظت کی حالانکہ اکابر علماء کرام کا ایک وفد انھیں ایسا کر دینے کی تجویز دینے بھی گیا تھا کہ کم از کم شیخ کو اپنے ملک سے بے دخل ہی کر کے اسلامی حکومت بچالیں ، مگر سلام امیر المؤمنینؑ! جنھوں نے سب کچھ قربان کیا مگر اپنا دین و ایمان بچالیا۔ حالانکہ آج کے اس پُرفتن دور میں دو کمروں کا مدرسہ، ڈیڑھ اینٹ کی مسجد، چند بندوں پر مشتمل

وہ ایک عظیم انسان تھے جنہوں نے اپنے پچیس سالہ ہنگامہ خیز تحریکی زندگی میں خیر کے کئی نقوش زندہ کیے اور کئی برے نقوش مٹا کر چل دیئے،، خلافت راشدہ کا نقشہ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے زندہ تانبندہ لاکھڑا کیا۔

جماعت بچانے کی خاطر بڑے بڑے دینی اصول قربان کرتے چلے جانے کا سکہ چل رہا ہے۔ مگر، وہ ڈٹ گئے، کٹ گئے، امر ہو گئے۔۔۔ ہاں سچ یہ ہیکہ وہ غیرتِ ایمانی کی ایک کہکشاں تھے کہکشاں۔!!! ان پر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب انھوں نے بامیان کے بت گرانے کا حکم صادر فرمایا تب دنیا نے چیخ و پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیا، کہیں سے پیشکش تو کہیں سے دھمکیاں۔ کہیں خوف و اندیشوں کے پیغام تو کہیں سے سونے و جواہرات کی پیشکش۔۔۔ مگر باہمت و جری، غیرت و بہادری کے مجسمے امیر المؤمنینؑ نے ذرہ برابر خوف و اندیشہ ذہن پر سوار کیے بغیر بت گرا دیئے۔

بت شکنوں کی فہرست میں ایک نام اور جگہ لگانے لگا، حالانکہ دنیا چاہتی تھی کہ بت فروشوں کے فہرست سیاہی میں اضافہ ہو۔

کچھ ایمان و عقل کے دشمنوں نے بے پرکی اڑائی ہے کہ دو سال دو ماہ تک آخر امیر المؤمنینؑ کے سانحہ ارتحال کو کیوں پوشیدہ رکھا گیا، مجھے ان نادانوں کی عقل پر حیرت ہوئی جو اسے ایک دینی غلطی قرار دینے پر بضد ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو چکا تھا، مشیتِ الہی سے جنات پر ان کا انتقال ظاہر نہ ہوا حتیٰ کہ تعمیر مکمل ہو گئی، اگر ایسا کرنا دینی حکمت میں نہ ہوتا تو اللہ پاک تو جنات کے بھی رب تھے، تعمیر کا کام ان سے لیتے حضرت سلیمانؑ کے انتقال کو کیوں پوشیدہ رکھا؟ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کے تحت ایسا کر لینا تو سنتِ خداوندی ہے، امیر المؤمنینؑ کے سانحہ ارتحال کی 26 ماہ تک پوشیدگی نے عالم کفر کی ٹیکنالوجی کے گن گانے والوں کے منہ بھی راکھ سے بھر دیئے۔ بارود کے ڈھیر لگانے والا اور ڈالروں کی بساط بچھانے والا امریکہ، اپنی کل ٹیکنالوجی کے ذریعے افغان پہاڑوں کو چھان مارنے کے بعد بھی نہ تو زندہ امیر المؤمنینؑ ڈھونڈ سکا اور نہ ہی مرحوم امیر المؤمنینؑ کی خبر تک نکال سکا۔ سچ یہ ہیکہ جہاد فی سبیل اللہ کے عمل نے عالم کفر کی رعوت و غرور کی خاک اڑا کر رکھ دی ہے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ دنیا سے جا کر بھی جیت چکے ہیں اور فتح و کامیابی کی علامت بن گئے ہیں امریکہ اور اس کے حواری دنیا میں رہ کر بھی ذلت کے گڑھوں میں دفن ہو چکے رسوائیوں کی جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں۔

جی ہاں: اے امیر المؤمنینؑ! آپ کی موت بھی امت کی حیات ہے!!!

مولانا عصمت اللہ معاویہ (حفظہ اللہ)

کیا بھارت جنگ کی تیاری کر چکا ہے؟

بھارت جو تحریک کشمیر سے بہت ہی نقصان اٹھا چکا ہے، اس تحریک کے خاتمہ کو پاکستان کی کمزوری کے راز میں ہی مضمر سمجھتا ہے! اس ساری صورتحال کے پیش نظر عوام الناس میں ایک بیداری مہم کا لانچ کرنا بہت اہم ہے! یہ چیلنج ایک قومی حیثیت رکھتا ہے، اس کا مقابلہ قومی بیداری کے بغیر ناممکن ہے!

آئین شکست کے بعد افغانستان کی زمین عملاً بھارت کے حوالے کر چکا ہے، بلکہ اوبا بھارت کے دورے میں کہہ چکا ہے کہ بھارت ہمارا افغانستان میں قابل اعتماد شراکت دار ہے۔ افغانستان کے فضائی اڈے وقت پڑنے پر بھارت کے زیر استعمال ہوں گے! جہاں سے پاکستان کو ہدف بنایا جائے گا۔ 2001ء اور 2008ء کے ممبئی حملوں کے بعد امریکہ، اسرائیل، بھارت کی شیطانی تکنون مسلمان اکثریت کے ملک کو تباہ کرنے کا ٹھان چکی ہے، موجودہ دور کو وہ کسی بھی لحاظ سے حملے کے لیے بہترین سمجھ رہے ہیں۔ (1) پاکستان اپنی فوج کو مغربی بارڈر پر لگا چکا ہے لہذا شرقی سرحد پر درکار قوت پوری کرنے سے قاصر ہے۔ (2) بلوچستان میں ایک قابل ذکر مزاحمت موجود ہے۔ (3) گذشتہ 8 برس سے فوج اور سیکورٹی ادارے ملک کے اندر ہی اپنی طاقت کا وسیع تر حصہ جھونک چکے ہیں۔ (4) عالمی سطح پر پاکستان تنہائی کا شکار ہے۔ (5) معاشی طور پر پاکستان کئی طرح کی لگجھنوں کا شکار ہے۔ ان تمام وجوہات کو مد نظر رکھ کر یہ شیطانی تکنون سوچتی ہے کہ پاکستان پر جنگ مسلط کرنے کا یہ بہترین دور ہے۔

صورت حال نظر آنے لگی، یہ صورتحال امریکی مفاد کے لیے نقصان دہ تھی کیونکہ امریکہ اور نیٹو کے ایک لاکھ بیس ہزار فوجی افغان سرزمین پر ایک جنگ شروع کر چکے تھے۔ انکی سپلائی لائن پاکستان سے تھی جنگ کی صورت میں سپلائی لائن کا بحال رہنا ممکن نہ تھا۔ پاکستانی ایئرپورٹ بھی امریکہ کے زیر استعمال تھے جنگ کی صورت میں امریکہ کو پاکستان سے حاصل شدہ تمام لاجسٹک سپورٹ سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ لہذا امریکہ نے جنگ رکوانے کی ٹھان لی بھارت ماننے کے لیے تیار نہ تھا، امریکہ اور بھارت کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ طے پا گیا جسکی وجہ سے امریکہ بھارتی افواج کو بیرونی طرف واپس کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ امریکہ اور بھارت کے درمیان ہونے والا یہ خفیہ معاہدہ کیا تھا؟؟؟ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کے کچھ پہلو تو روشن ہو چکے ہیں اور کچھ پہلو مستقبل قریب میں واضح ہوتے نظر آ رہے ہیں، ممکنہ اور بھارتی بڑی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ امریکہ افغان جنگ سمنے کے بعد پاکستان کے خلاف بھارت کا اعلانیہ یا خفیہ ساتھ دے۔ امریکہ افغانستان سے ذلت

دنیا کے بدلتے حالات اور عالمی قوتوں کے بدلتے تئیر خطوط کی تبدیلی کا باعث بننے لگے ہیں۔ خطہ برصغیر بھی پرانی راکھ سے مستعار چنگاریاں لیکر آگ کے نئے الاؤ بھڑکا تا نظر آ رہا ہے، ہندوستان میں مودی سرکار براجمان ہے، جہاں یہ بات قطعاً پوشیدہ نہیں کہ مذہبی متعصب ہندوؤں سے جنگ تعلق ہے اور وہ ہمیشہ ”اکھنڈ بھارت“ کے خواب ہی دیکھتے چلے آئے ہیں۔ بھارت گزشتہ ڈیڑھ عشرے سے اربوں ڈالر کا اسلحہ خرید کر اپنی عسکری بالادستی کے خوابوں کو تعبیر دیتا چلا آیا ہے۔ بھارت کسی لمحے بھی اپنی عسکری بالادستی قائم رکھنے کے ارادوں سے غافل نہیں ہوا، بلکہ ہر چڑھتے سورج کے ساتھ ان کے بھیانک ارادوں میں نئی روح نظر آتی رہی، آخر یہ سب بھارت نے کیوں کیا؟ اور کس کے لیے کیا؟ ایسے سوالات قطعی جواب طلب نہیں ہیں بلکہ ان کا جواب اظہر من الشمس ہے۔ ذیل میں ہم ان عوامل کا ذکر کریں گے، جن سے جنگ کے حالات کی حقیقت سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

(۱)۔ ۲۰۰۱ء انڈین پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد ہندوستان اپنی افواج پاکستان کے بارڈر پر لے آیا اور جنگ کی سی

(2) بھارت سمجھتا ہے کہ تحریک کشمیر کو 14 سال تک پاکستان نے بھرپور سپورٹ کیا، اس کے ہزاروں فوجی کام آئے، اور اربوں ڈالر کا اس کا نقصان ہوا، بھارت کے طول و عرض میں بڑی بڑی عسکری کاروائیاں ہوتی رہیں۔ بھارت جو عرصہ دراز سے خاکھائے بیٹھا تھا، اپنے پیٹ کے شدید مروڑ پر صبر کر رہا تھا اپنی مجبوریوں کی وجہ سے، اب اسے ایک اہم موقع ہاتھ آیا ہے، وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اب اپنا قرض سود سمیت چکا دیا جائے۔ تحریک کشمیر بھی اسی بنیاد پر ہمیشہ کے لیے فنا ہو جائے گی۔ بھارت جو تحریک کشمیر سے بہت ہی نقصان اٹھا چکا ہے، اس تحریک کے خاتمہ کو پاکستان کی کمزوری کے راز میں ہی مضمر سمجھتا ہے لہذا وہ سوچتا ہے کہ اب حساب برابر کر دینے کا یہ بہترین وقت ہے۔

(3) ”پاکستان، چین اکنامک کوریڈر معاہدہ“ بھارت سمیت عالمی صیہونی قوتوں کے لیے ناقابل قبول ہے، (1) بھارت یہ سمجھتا ہے کہ اس معاہدے اور تجارتی راہداری سے پاکستانی معیشت کے ٹوٹے سانس بحال ہو کر مضبوط ہو جائیں گے۔ (2) چین اس تجارتی راہداری کے ذریعے بھارت کو محصور کرنے کے قابل بھی ہو جائے گا، اس لیے بھارتی سیاستدان اس اعلانیہ منصوبہ کو ناقابل قبول قرار دے کر کروڑوں ڈالر کا بجٹ مقرر کر چکے ہیں۔ اور ”را“ کا باقاعدہ ایک ونگ مختص کر چکے ہیں، جو اس منصوبے کی راہ میں روڑے اٹکائے گا۔ (3) بھارت چاہتا ہے کہ اس معاہدے کی تکمیل سے پہلے ہی وہ پاکستان پر ایک کاری وار کر دے تاکہ یہ منصوبہ اپنی موت آپ مر جائے۔ بھارت یہ سمجھتا ہے کہ یہی وہ وقت ہے جب اس منصوبہ کو روکا جاسکے۔ بعد میں رونا پیٹنا کس کام کا؟۔ لہذا اب ہی جنگ مسلط کر دینا بہتر ہے۔ (4) مودی کی جماعتی سیاست اور بھارت کی اندرونی سیاست کا تقاضہ یہ ہے کہ مودی شدت پسندانہ رویہ کو فروغ دے، اس کے لیے مسلمانوں کا قتل عام ضروری ہے، اگر مودی یہ قتل عام ہندوستان کی سرزمین پر کرے تو اسے ایک فائدہ۔۔۔ لیکن کافی نقصانات اٹھانے ہوں گے، مثلاً

(1) بھارتی معیشت کی تباہی، (2) سیکولرزم کے مکروہ چہرہ کا مسخ ہو جانا، (3) مسلمان ووٹ بینک کا ایک طرفہ مودی مخالفت میں چلے جانا۔ ان تین نقصانات کے علاوہ مودی کا گجرات دنگوں کا سابقہ تجربہ بھی اس کے سامنے ہے۔ لہذا اس اندرونی سیاست میں ووٹ بینک بڑھانے کے لیے بھی مودی سرکار پاکستان سے جارحانہ رویہ رکھنا ضروری سمجھتی ہے، آگے چل کر یہی رویہ خود بخود چھوٹے موٹے واقعات سے نکل کر بڑی جنگ کا شاخسانہ بن جائیں گے۔ (5) امریکہ اس خطے سے اپنی ذلت آمیز شکست سے نکلنے کی بہت تنگ و دوں کر چکا ہے۔ امریکہ کو کہیں بھی کامیابی بھائی نہیں دی۔ اگر وہ سوویت یونین کی طرح ذلت و رسوائی کی مثال بن کر افغانستان سے نکلتا ہے، تو یہ امریکی چودھراہٹ کی دائمی موت ہے، لہذا وہ اس خطے میں ایک نیا تماشہ چاہتا ہے، جو اس کے لیے اسموکنگ بم (Smoking bomb) کا کام دے۔ اور دنیا کی آنکھوں میں دھواں جھونک کر وہ بوری بستر افغانستان سے ہمیشہ کے لیے گول کر جائے۔

(6) امریکہ پاکستان کے کردار کو افغان وار میں مشکوک سمجھتا ہے اور اندرون خانہ ڈبل کر اس کا الزام دیتا ہے، اس جنگ کی شکست و ہزیمت کا سارا المیہ وہ پاکستان کے سر ڈالنا چاہتا ہے، اپنا غم و غصہ نکالنے کے لیے اسے بھارت کی صورت میں ایک قوت میسر ہے، لہذا امریکہ بھی یہی چاہتا ہے کہ بھارت اب کچھ کر گزرے۔ پاکستان کو ڈبل کر اسی کا مزہ چکھایا جائے۔

(7) امریکہ چین کی ابھرتی ہوئی قوت کے مقابلہ میں ایشیاء میں بھارت سے زیادہ بہتر ”مقابلہ پہلوان“ کے طور پر کسی کو نہیں دیکھ رہا۔ لہذا امریکہ چاہتا ہے کہ آنے والے دنوں میں چین کی ابھرتی قوت کا مقابلہ ”بھارت“ کو ایشیاء میں کھڑا کیا جائے۔ جبکہ بھارت کے لیے پاکستان اب بھی کسی چیلنج سے کم نہیں، اس نئے منصوبے کے تحت پاکستان کو ایسے حالات سے دوچار کر دیا جائے کہ پاکستان کو سنبھلنے میں 30 سال سے زائد کا عرصہ لگ جائے، اس صورت میں بھارت کے سامنے واحد چیلنج اور

مقابلہ چین ہوگا، بھارت بجائے پاکستان کے چین کو سامنے رکھ کر تیاری کرے گا۔ جبکہ پاکستان (خاکم بدہن) انڈیا کی ایک باجگزار ریاست بن کر رہ جائے گا۔ ہم نے سات اہم نکات لکھے ہیں جن کی بنیاد پر ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ بھارت ہر قیمت پر جنگ مسلط کرے گا، جبکہ امریکہ ظاہری کردار مختلف اور باطنی کردار مختلف کے فرق کے ساتھ اس ساری گریٹ گیم کا حصہ رہے گا۔! لگائی کدھر۔۔۔ نبھائی کدھر۔۔۔ کے مقولہ کے مصداق بھارت سے حقیقی یاری نبھائے گا، اس ساری صورتحال کے پیش نظر عوام الناس میں ایک بیداری مہم کا لانچ کرنا بہت اہم ہے، یہ چیلنج ایک قومی حیثیت رکھتا ہے، اس کا مقابلہ قومی بیداری کے بغیر ناممکن ہے، بھارت کا میڈیا بھارتی قوم کو جنگی بنیادوں پر بیدار کر رہا ہے اور جنگ کے لیے تیار کر رہا ہے ہمیں بھی ”کسی بھی غفلت“ کا شکار رہے بغیر کمر کس لینا چاہیے، ورنہ ہمیں ”داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں“ کی صورت کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔۔

جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے!!
رنج کتنا بھی کریں ان کا زمانے والے
جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے
کیسی بے فیض سی رہ جاتی ہے دل کی بستی
کیسے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے
ایک پل چھین کے انسان کو لے جاتا ہے
پیچھے رہ جاتے ہیں سب ساتھ نبھانے والے
لوگ کہتے ہیں کہ تو دور افت پار گیا!
کیا کہوں اے مرے دل میں اترنے والے
جانے والے ترے مرقد پہ کھڑا سوچتا ہوں
خواب ہی ہو گئے تعبیر بتانے والے
ہر نیاز ختم کسی اور کے سینے کا سِعود
چھیڑ جاتا ہے مرے زخم پرانے والے

سادگی

بہادری اور استقامت

کا استعارہ!

اب گہرے زخموں کا درماں کون کرے گا؟ اب کون زخمی آنسوؤں پر مسرہم رکھے گا؟
ملا عمر ایک ایسی ہی شخصیت تھی جو صدیوں تک تاریخ کے اوراق میں دمکتی رہے گی۔
مجھے کہنے دیجئے کہ ملا عمر ایک استعارہ بن چکا ہے، سادگی کا۔ استقامت اور بہادری کا۔

حیات عبداللہ

زائل کر رہی تھیں۔ ظلم کا ہر حربہ، دنیا کا ہر خطرناک ترین اسلحہ افغانیوں پر برسایا جا رہا تھا اور ساتھ ہی انہیں دہشت گرد قرار دے کر ان کی مظلومیت کو چنگیزی کے طور پر متعارف کروایا جا رہا تھا۔ افغانستان کے وہ سادہ لوح بندے جنہیں پینٹاگان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے سپیلنگ تک نہ آتے تھے انہیں فاسفورس کی آگ میں بھونا جا رہا تھا، لیکن ایمان یافتہ لوگوں کا یہ ملک ملا عمر کی قیادت میں ایک ایسی جنگ لڑنے کے لیے مکمل طور پر ایمانی بصیرت اور دینی حمیت کے ساتھ تیار ہو چکا تھا کہ جس نے مستقبل میں ایک اور سپر پاور کو انجام سے دو چار کرنا تھا۔ سیکڑوں برسوں پر محیط افغانستان کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ لوگ ہر چڑھ دوڑنے والی طاقت کو قبر برد کر دیتے ہیں اگرچہ امریکا کے خلاف

چنگھاڑتے اسلحے سے لدی جدید فوج کے سامنے ایسے حالات میں سینہ سپر ہو جانا جب تمام اسلامی ممالک کی سٹی گم ہو چکی تھی وہ سارے ڈرے، سہمے اور ڈبکے بیٹھے تھے کہ امریکا سے اٹھنے والا یہ خون خوار طوفان معلوم نہیں کس کس کو بہالے جائے گا؟ سات اکتوبر 2001ء کو جب امریکی سپر سائیک طیاروں نے آسمان کی وسعتوں سے بمباری شروع کی تو ملت اسلامیہ کانپ اٹھی تھی کہ اب کیا ہو گا؟ اب گہرے زخموں کا درماں کون کرے گا؟ اب کون زخمی آنسوؤں پر مسرہم رکھے گا؟ ”ٹھاڈا مارے اور رونے بھی نہ دے“ سے بڑھ کر نیو فورسز نہ صرف افغانستان کے شہریوں پر آگ اور بارود برسا رہی تھیں بلکہ انہیں دہشت گرد کہہ کی ان کی آہ و بکا اور گریہ و زاری کا سارا اثر بھی

بات صرف سانسوں کے چلنے کی نہیں ہوا کرتی، زندگی محض دل دھڑکنے اور نبض کی حرکت سے ہی عبارت نہیں، کتنے ہی لوگوں کی سانسیں چل اور دل دھڑک رہے ہوتے ہیں مگر وہ زندوں میں شمار نہیں ہوتے۔ بات تو اپنی زیست کے لمحات کو اسلام کے لیے وقف کر دینے کی ہوا کرتی ہے، لا ریب زندگانی کو اس آہنگ اور بانگین میں ڈھالنے کے بعد جسمانی اذیتوں اور ذہنی صعوبتوں کے جتھے حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چہروں کی مسکان اور ذہنی گمان کسی آزمائش میں مبتلا کر دیے جائیں ایسے دگرگوں اور قیامت خیز اذیت رکھنے والے حالات میں کسی قذاق اور سفاکی طاقت کے سامنے ڈٹ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہو ا کرتی، اٹھائیس ملکوں کی پھنکارتی ٹیکنالوجی اور

جنگ میں ان کے پاس اسلحہ ایسا نہ تھا جو عہد جدید میں جنگ لڑنے کے لیے کفایت کرتا ہو مگر ان کے دل ایمان کی سوغات سے شاداب تھے، ان کا یہ ایمان آفریں جذبہ انہیں عالمی طاقتوں کی فوج سے مُنیر اور ممتاز کرتا تھا کہ یہ اپنی جانوں سے بڑھ کر آزادی سے محبت کرنے کے خوگر تھے، دنیا عددی برتری اور اسلحہ کی فراوانی کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لے رہی تھی جب کہ یہ لوگ جان قربان کرنے کے جذبات کو پال پوس کر میدان میں لے آئے تھے۔ اٹھائیس ملکوں پر مشتمل اس فوج میں کوئی ایک فوجی بھی ایسا نہ تھا جو جان قربان کرنے کا متمنی اور طلب گار ہو جب کہ ملا عمر کے اس دستے میں کوئی ایک سپاہی بھی ایسا نہ تھا جو اپنی جان بچانے کو آزادی پر مقدم سمجھتا ہو۔ اس جنگ میں یہ ایک ایسا فتح اور شکست کا ضامن سبب تھا جسے دنیا داروں کے لیے سمجھنا نہایت ہی دشوار تھا۔ دھیرے دھیرے چشم فلک یہ دیکھ کر دنگ ہوتی رہی کہ امریکا اپنی فوج کی بجائے ڈرون طیاروں کو لڑانے لگا تھا، وہ بم اور میزائل استعمال کرنے پر ہی کفایت کرنے لگا تھا تا کہ جانی نقصان کم سے کم ہو، کھجور کے موٹے بان کی ٹوٹی پھوٹی چار پائی تنگ و تار یک کوٹھری میں رہنے والے ملا عمر نے پوری متانت اور استقامت کے ساتھ ایک ایسی سپاہ کے خلاف قیادت کی جس کا نام سن کر دنیا کانپتی تھی۔ بظاہر وائٹ ہاؤس اور پیٹھا گون سے اس جنگ کو چیلنا سز کرنے اور ملا عمر کی کوٹھڑی میں چٹائی پر بیٹھ کر قیادت کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر فتح و نصرت کا انحصار ہتھیاروں کی بجائے اللہ کی نصرتوں اور جذبوں کی صداقت پر ہوتا ہے۔ افغانستان پر حملے کے وقت امریکا یہ مکمل

طور پر فراموش کر چکا تھا کہ سوویت کا کیا حشر ہوا تھا، وہ سوویت یونین جو ایشیا سے لے کر یورپ تک پھیلا ہوا تھا۔ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں ملا عمر کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی، اس وقت روس کا توئی بولتا تھا، اس نے اسلامی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور پھر محض چند سال بعد سوویت یونین ٹکڑوں میں بٹ گئی، روس، ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان، آرمینیا، یوکرین اور جارجیا جیسے ملک سوویت یونین کا پیٹ چیر کر باہر نکلے، امریکا یہ بالکل بھول چکا تھا کہ افغانستان کے ماضی کا ایک ایک لمحہ گواہ ہے کہ یہاں بیرونی طاقتوں کے لیے رتی برابر جگہ نہیں البتہ ان کے لیے قبرستانوں کی جگہ بڑی وسیع ہے، یہاں سکندر اعظم نے حملہ کیا، یہاں آریا آئے، یہاں منگولوں نے قبضہ کیا، ازبک یہاں حکومت کرنے کے لیے آئے اور برطانیہ تو کئی بار حملہ آور ہوا مگر کوئی ایک ملک بھی یہاں ٹھہر نہ سکا، انہیں افغانستان کی مٹی میں دفن کر دیا گیا۔

روسیوں کا مزاج اتنا پتھر یلا تھا کہ وہ بڑھکیں لگاتے تھے کہ ہم جہاں قدم رکھتے ہیں اچھی طرح جما کر رکھتے ہیں اور ہم جہاں جم جاتے ہیں وہاں سے ہمیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ سوویت یونین کی گردن میں پھنسا سر یا گردن سمیت توڑنے کے لیے پندرہ لاکھ کے قریب افغانوں نے جانوں کی قربانیاں دیں، افغانستان کے کسی باشندے نے اپنی جان قربان کرنے میں بخل سے کام نہ لیا، سو شکست کے ایسے شرمناک داغ سوویت یونین کے مکروہ چہرے پر لگے کہ آج تک وہ ان میں سے کوئی ایک داغ تک نہ مٹا سکا، حیرت ہے کہ امریکہ کو افغانستان کے قبرستانوں میں دفن

ہوتی یہ بڑی بڑی طاقتیں کیوں دکھائی نہ دیں، یہ طاقت کا زعم تھا جس نے اس سے بصارت اور بصیرت دونوں چھین لی تھیں۔ امریکا کو اس بات کا بھی احساس نہ رہا کہ روسی فوجی امریکیوں سے زیادہ دلیر اور بہادر تھے، آج امریکا ذلت آمیز شکست کو مختلف مرحلوں میں تقسیم کر کے امن کے اثرات کو کم کرنے کے لیے حکمت عملی ترتیب دے رہا ہے مگر دنیا اچھی طرح باخبر ہے کہ افغانستان کے کہساروں میں اس کی طاقت بھی دفن ہو چکی۔ ملا عمر اپنے اللہ سے جا ملا۔ آج سے دو سال قبل وہ فوت ہو چکا تھا، انشاء اللہ وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوگا۔ امریکا اور اس کی ٹیکنالوجی سب بوسیدہ اور بودی ہو چکی کہ اسے دو سال تک یہ پتا ہی نہ چلا کہ ملا عمر اب دنیا میں نہیں رہا۔ اگر اسے ذرا بھی بھٹک پڑ جاتی تو وہ اسامہ بن لادن کی طرح ایک اور ڈراما سٹیج کر لیتا اور دنیا کو چکما دے دیتا۔ میں نے کہا نا کہ سانسوں کا چلنا، دلوں کا دھڑکنا اور نبضوں کا حرکت میں رہنا ہی زندگی کی نوید نہیں ہوا کرتا، موت سے مفر تو کسی کو بھی نہیں سب نے ہی مٹی تلے دفن ہو جانا ہے مگر اصل زندگی کردار و عمل کی ہوتی ہے۔ کتنے ہی لوگ برساتوں کی مانند ہوتے ہیں، کتنے ہی انسان رم جھم کی پھواریں بن کر دل پر برسے لگتے ہیں، کتنے ہی رب کے ولی، رحمتوں کی برکھان کرتن من کو اجال دیتے ہیں۔ ملا عمر ایک ایسی ہی شخصیت تھی جو صدیوں تک تاریخ کے اوراق میں دمکتی رہے گی۔ مجھے کہنے دیجئے کہ ملا عمر ایک استعارہ بن چکا ہے، سادگی کا۔۔۔ استقامت اور بہادری کا۔۔۔ اے اللہ! اس کی لحد پر آبشاروں کے جھالوں کی مانند اپنی رحمتیں برسا دے۔ آمین۔

سرد روش، سرد قلندر

اور یا مقبول جان

ایک صبح ملا محمد عمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے خواب میں سید الانبیاء ﷺ کو دیکھا ہے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اٹھو جہاد شروع کرو اور امن قائم کرو، اللہ تمہیں نصرت دے گا۔

پراعلیٰ ترین سول ایوارڈ لینے والے آج ان کے سب سے بڑے ناقد ہیں۔ پاکستان کے گزشتہ تیس سالوں کی آمریتوں کے اپنے اپنے مورخ اور مداحین ہیں اور وہ اعلیٰ پایہ کے نثر نگار بھی ہیں، اپنے زمانے کے طبری، واقدی اور بلاذری۔ ان تین مورخوں نے افسانے تو تین سو سال بعد تحریر کیے، لیکن ان دانشوروں نے تو اپنی زندگی میں ہی افسانوں کو حقیقت بنا دیا۔ ملا محمد عمر۔ قندھار کے ایک کچے گھر کے چھوٹے سے کمرے سے چھ سال تک افغانستان کو ایک پر امن اور خوشحال ملک میں بدلنے اور پندرہ سال دنیا کی چالیس کے قریب عالمی طاقتوں سے تن تہاڑنے والا مرد مجاہد۔ کیا آج ایسا تصور اس کے بارے میں پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ کیا ہمارا میڈیا اور اس پر جلوہ گر ہونے والے تجزیہ نگار اور مورخین سچ بولتے ہیں۔ تعصب اور

کبھی بھی تو رخم یا اسپن بلدک کے دوسری جانب قدم نہیں رکھا، جنہیں افغانستان میں بولنے والی ایک زبان بھی نہیں آتی، جن کے تجزیات عالمی اخبارات کے تراشوں، تعصب کی ملاوٹ سے بھرپور تحریروں اور من گھڑت خفیہ رپورٹوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ آج اگر کوئی مورخ پاکستان میں ملا محمد عمر اور افغانستان میں طالبان کے دور حکومت کے بارے میں کتاب لکھنا چاہے تو اسے جو عمومی تصور یہاں ملے گا وہ نوے فیصد سے زیادہ بے بنیاد اور گروہی و فرقہ وارانہ تعصب کی عینک لیے ہوئے ہوگا۔ یہ صرف پندرہ سال پہلے کی تاریخ ہے، اس دور کے لوگ ابھی زندہ ہیں لیکن سچ اس قدر دھندلا دیا گیا ہے کہ کسی کو بولنے کا یا را نہیں۔ تاریخ کی سچائی کا اندازہ اس طرح کی ہزاروں موجودہ دور کی مثالوں سے دیا جاسکتا ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں تحریروں

جو لوگ تاریخ کو حرف آخر سمجھتے ہیں اور اس کی بنیاد پر شخصیات کا تعین اور خصوصاً عقیدے کی بنیاد رکھتے ہیں ان کے لیے کیا صرف ایک یہی گواہی کافی نہیں کہ اس ملک میں سنی سنائی کہانیوں پر مبنی کتنے افسانے ملا محمد عمر کی زندگی اور طالبان کے دور حکومت کے بارے میں عام مل جاتے ہیں۔ یہ بنی امیہ، بنی عباس اور بنی فاطمی ملوکیت کا دور نہیں کہ ظلم اور جبر کے تحت تاریخ لکھوائی جاتی ہو۔ یہ جمہوریت، آزادی اظہار اور قلم کی حرمت و تقدس کا دور ہے۔ لیکن اس دور میں بھی آپ کو ملا محمد عمر کے بارے میں گفتگو کرنے، لکھنے والے اور تبصرے کرنے والے اکثریت میں ایسے ملیں گے جن کی ان سے زندگی بھر کبھی ملاقات تک نہیں ہوئی۔ جب کہ طالبان کے افغانستان میں چھ سالہ سنہری دور پر لکھنے والوں کی بھی اکثریت ایسی ہے جنہوں نے

نفرت نے جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری کر رکھا ہے۔ لیکن کوئی تو سچ بولے، کوئی تو یہ بتائے کہ 1995ء سے 2000ء تک اس کا اگرچہ، پشین، لورالائی، ژہوپ، پشاور، مردان، سوات یا پاکستان کے کسی بارڈر کے قریبی شہر جانے کا اتفاق ہوا تھا اس نے سرحد کے اس پار سے ملا محمد عمر اور طالبان کے حکومتی انصاف کی خوشبو ضرور محسوس کی ہوگی۔ اس نے عام آدمی کی زبان پر یہ دعا ضرور دیکھی ہوگی کہ ہمارے ہاں کوئی ایسا حکمران کیوں نہیں آ جاتا۔ ملا محمد عمر نے اعلان کیا کہ امارات اسلامی اللہ کی دی گئی ذمہ داری کے تحت آپ لوگوں کی جان و مال کی ذمہ دار ہے، آپ لوگ اپنا اسلحہ جمع کروادیں۔

ایسی خواہش لوگوں کے دلوں میں جا گئی۔ تو امیر المؤمنین ملا محمد عمر کے زمانہ حکومت کے دوران۔ سرحدی شہروں کے کتنے لوگ تھے جو اپنے مقدمات فیصلوں کے لیے طالبان کے پاس لے جاتے تھے۔ 1997ء میں جان محمد دشتی ڈپٹی کمشنر کوٹہ تھا۔ میں چانگی سے اسے ملنے گیا۔ اس کے دفتر میں چند پشتون بیٹھے تھے۔ دشتی بلوچ آدمی تھا، اس کی پشتو کمزور تھی، مجھے ترجمے کے لیے بٹھالیا۔ کہانی یہ تھی کہ چار لوگوں نے ان افراد کے کئی کروڑ افغانی اور ایک موٹر سائیکل فراڈ سے ہتھیا لیے تھے۔ چاروں پکڑے گئے۔ دو کو ایس ایچ او نے مقدمے سے فارغ کر دیا اور دو کو سیشن جج نے بری کر دیا۔ دو لوگ بھاگ کر قندھار چلے گئے۔ وہ اپنا مقدمہ لے کر قندھار گئے، گواہ پیش ہوئے۔ آدھے پیسے اور موٹر سائیکل طالبان نے واپس کروا دیے، باقی آدھے ان دونوں کے پاس تھے جو پاکستان میں

تھے۔ وہ لوگ ڈپٹی کمشنر سے درخواست کر رہے تھے کہ ان دونوں کو ہمارے حوالے کریں، ہم قندھار لے جا کر طالبان سے انصاف کروائیں گے۔ روس افغانستان سے رخصت ہوا تو تباہ حال افغانستان بدامنی، لوٹ مار اور قتل و غارت کا گڑھ بن گیا۔ افغان مجاہدین کے گروہ آپس میں اس طرح دست و گریبان ہوئے کہ چاروں جانب اسلحہ و بارود کی بو بھیل گئی۔ چمن سے قندھار تک صرف ستر میل کا فاصلہ ہے لیکن اس تھوڑے سے فاصلے میں جگہ جگہ مختلف افغان مجاہدین گروہوں نے اپنی چپک پوٹیں لگا رکھی تھیں جو ہر گزرنے والی گاڑی سے جبری ٹیکس وصول کرتی تھیں۔ امن و امان کا یہ عالم کہ نہ کسی کی جان محفوظ اور نہ مال۔ کابل شہر کے دونوں اطراف تو پین نصب تھیں اور شہر کھنڈر بن چکا تھا۔ نجیب اللہ ایک بے طاقت اور مجبور محض حکمران کی صورت موجود تھا۔ ملا محمد عمر سے میری ملاقات اسی دور آشوب میں ہوئی جب روس ابھی رخصت ہوا تھا۔ ایک درد دل رکھنے والا مسلمان جو مسلمانوں کی اس باہمی لڑائی پر ہر وقت کڑھتا رہتا۔ اس کے لیے یہ تمام لوگ اجنبی نہ تھے، اس نے ان کے شانہ بشانہ جہاد میں حصہ لیا تھا لیکن طاقت اور غلبے کی ہوس نے انھیں کیا بنا دیا تھا۔ چمن شہر سے قندھار تک وہ ہر ذی روح کے دکھ سے واقف تھا۔ یہ لوگ تو واقعی قریہ ظالم کے شہری تھے کہ جو سورہ نساء کی آیت کے مطابق پکار پکار کر کہتے تھے کہ اللہ ہمارے لیے کوئی مددگار بھیج دے۔ تجزیہ نگار جو چاہے کہہ لیں، طاقت کے پجاری بے شک اسے ایک جھوٹی، لغو اور بے بنیاد کہانی کے ذریعے امریکا اور آئی ایس کی تخلیق کہہ لیں لیکن بلوچستان کے اس

خطے کے رہنے والے ہزاروں لوگوں کو وہ وقت اب بھی یاد ہے کہ ایک صبح ملا محمد عمر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے خواب میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اٹھو جہاد شروع کرو اور امن قائم کرو، اللہ تمہیں نصرت دے گا۔ اس کے بعد اس خطے کے میرے جیسے لاکھوں لوگ جانتے ہیں کہ کیسے ملا محمد عمر نے قندھار میں موجود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کو نکالا اور پھر کس طرح لوگوں نے جوق در جوق اس جبہ مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے ملا محمد عمر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس کے بعد رسول اکرم کی دی گئی بشارت کا وقت آیا۔ ایک گولی چلائے بغیر قندھار کی تمام فوج نے ملا محمد عمر کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ اس کی نصرتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ یہ چند ہزار لوگ جس جانب بڑھے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی رہی، اتنی کم مزاحمت کہ صرف چند مہینوں میں نوے فیصد افغانستان ملا محمد عمر کے زیر نگین تھا۔ میں اس وقت ایک ایسے ضلع کا ڈپٹی کمشنر تھا جس کا کئی سو میل بارڈر افغانستان سے ملتا تھا۔ تمام صوبائی انتظامیہ سے لے کر بڑی سے بڑی خفیہ ایجنسیوں کے فرشتوں تک کو بھی خبر نہ تھی کہ سب کیسے ہو رہا ہے۔ ایک ایسا افغانستان وجود میں آ چکا تھا جہاں گزشتہ سو سال کی تاریخ میں سب سے زیادہ امن تھا۔ اس دوران ہونے والے انتظامیہ کے بڑے بڑے اجلاسوں میں شرکت کے دوران یہ احساس ہوتا تھا کہ ہر کوئی حیران ہے۔ ان سب کے نزدیک طالبان کا از خود ایک قوت کے طور پر ابھرنا حیرت انگیز تو تھا ہی لیکن اصل حیرت انھیں اس بات پر ہوتی تھی کہ ان کے مقابل میں قوتیں خود بخود پسپا ہو رہی ہیں۔

یہ تو افغانوں کی گزشتہ کئی سو سالہ تاریخ کے خلاف تھا۔ جب طالبان افغانستان میں قوت کے طور پر مستحکم ہو گئے۔ ملا محمد عمر امیر المومنین کی حیثیت سے مانے جانے لگے تو اس دوران حکومت پاکستان کو بھی خیال آیا کہ اب انھیں تسلیم کر لینا چاہیے۔ ایک ایسی حکومت اس پسماندہ ملک میں قائم ہوئی جو سیاسیات کے کامیاب ترین اصول ”کامیاب ریاست وہ ہے جہاں ریاست کا وجود نظر نہ آئے اور لوگ کاروبار زندگی جاری رکھیں“۔ ہر بڑے شہر میں دس اور چھوٹے شہر میں سات طالبان سپاہی ہوتے تھے اور اسپن بلدک جیسی منڈی جہاں اربوں کا کاروبار تھا وہاں لوگ دکانیں کھلی چھوڑ کر نماز پڑھنے جاتے تھے۔ یہ ایک پُر امن افغانستان تھا۔ ایسا افغانستان جس کا تصور تک بھی ایک پشتون سربراہ مملکت کی حیثیت سے کسی نے کیا نہ ہوگا۔ صدیوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی پشتون کو اقتدار میسر آیا اس نے اپنے بھائی سے پرانے بدلے چکانے کی ریت ڈالی۔ ”تربور“ پشتو زبان میں ایک ایسے رشتے کے بھائی کو کہتے ہیں جس سے اندر ہی اندر عداوت چل رہی ہوتی ہے۔ اس عداوت کو ”تربور گردی“ کہا جاتا ہے۔ لیکن ملا محمد عمر کی ذات تو اس سے بالاتر تھی۔ گزشتہ ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں یہ دور امن و آشتی اور عدل و انصاف کا ایسا دور تھا جس کی خوشبو ارد گرد کے علاقوں میں جا نکلی تھی۔ افغان معاشرہ میں اسلحہ مرد کا زور سمجھا جاتا ہے۔ ہر کوئی ہتھیار کندھے پر لٹکا کر چلنے کو مردانگی خیال کرتا ہے۔ گزشتہ سولہ سالہ افغان جنگ نے افغانوں کو اس قدر اسلحہ دیا تھا کہ شہر کے شہر اسلحہ کے گودام بن گئے تھے۔ ریاست کی کامیابی کا دوسرا

اہم اصول یہ ہے کہ لوگوں کو یہ اطمینان ہو جائے کہ اب ان کی حفاظت کرنے کو ریاست موجود ہے تو وہ بے فکری کی نیند سونے لگتے ہیں۔ ملا محمد عمر نے اعلان کیا کہ امارات اسلامی اللہ کی دی گئی ذمہ داری کے تحت آپ لوگوں کی جان و مال کی ذمہ دار ہے، آپ لوگ اپنا اسلحہ جمع کروادیں۔ کوئی تصور کر سکتا ہے کہ صرف بیس دن کے اندر تمام لوگوں نے اپنا اسلحہ اپنے علاقے کے طالبان کے نامزد کردہ گورنروں اور ”اولس والوں“ (ضلعی سربراہوں) کو جمع کروا دیا۔ پاکستان میں معین الدین حیدر صاحب نے فوج اور دیگر ایجنسیوں کے ذریعے یہ کرنے کی کوشش کی تھی، نتیجہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ دنیا ہر کسی کو علم ہے کہ خوف داعش کا ہے اور ڈرکس نوعیت کا ہے۔ لیکن طالبان کے افغان دور کے پانچ سالوں کی خوشبو کی ایک مہک ہے جو اس زمانے میں پاکستان کے سرحدی اضلاع کے ہر فرد نے محسوس کی تھی۔۔۔

میں درجنوں ایسے ممالک ہیں جہاں منشیات کی کاشت اور کاروبار ہوتا ہے لیکن افغانستان ان میں سب سے زیادہ افیون کاشت کرنے والا ملک تھا۔ افیون جس سے ہیروئن تیار ہوتی ہے اور یہ ہیروئن افغانستان کی سرحد پر قائم فیکٹریوں میں تیار ہوتی۔ دنیا کے ہر ملک نے جہاں منشیات کی کاشت اور دھندا ہوتا تھا، انھوں نے جنگی جہازوں، ہیلی کاپٹروں اور ٹینکوں کے ذریعے اس دھندے اور کاشت کو ختم کرنے کی کوشش کی، کولمبیا سے لے کر تھائی لینڈ تک، سب جگہ آرمی ایکشن ہوا، نتیجہ دس سے پندرہ فیصد کمی۔ لیکن افغانستان جہاں سے

نوے فیصد افیون عالمی مارکیٹ میں جاتی تھی، ملا عمر کا ایک حکم نامہ نکلنے کی دیر تھی، کھیتوں میں کھڑی کروڑوں کی فصل کو لوگوں نے خود ہی آگ لگا دی اور وہاں پوست کی کاشت صفر ہو گئی۔ 1997ء میں میرے پاس چاغی کے ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داری تھی۔ افغانستان کے علاقے شوراوک سے ایک نالہ آتا ہے جو نوشکی کے ارد گرد مینگل، بادینی اور جمال دینی قبائل کی زمینوں کو سیراب کرتا۔ ایک دن ان تینوں قبیلوں کے سردار آئے کہ افغانستان کے علاقے میں اکبر بڑیچ نامی شخص نے بند باندھ کر پانی روک لیا ہے۔ میں نے سرحد پار ہلند کے گورنر سے رابطہ کیا جو لشکر گاہ میں بیٹھتا تھا۔ اس نے کہا میں ابھی آپ کے دفتر آ رہا ہوں، اس لیے کہ میں یہیں قریب ہی سرحد پار موجود ہوں۔ وہ ایک موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھے ہوئے تشریف لائے۔ ایک سادہ سا مولوی جسے آج لوگ طالبان رہنما کے طور پر جانتے ہیں۔ کہنے لگا موقع پر چلتے ہیں، آپ اپنے دو مولوی لے آئیں، میں اپنے دو مولوی لے آتا ہوں۔ انگریزی نظام میں پلے بڑھے قبائلی ایک دم تمسخرانہ انداز میں بولے، مولوی کا کیا کام۔ اس نے کہا ہماری جانب مولوی کا ہی کام ہے۔ خیر ہم نے مولوی بھی لیے اور ساتھ تحصیلدار، گرداور، پٹواری اور ریکارڈ بھی اٹھالیا۔ موقع پر پہنچے، بلڈوزر سے ایک بہت بڑا بند بنا ہوا تھا اور سارا پانی روک کر اپنے کھیتوں کی جانب اس کا رخ موڑ دیا گیا تھا۔ طالبان کے گورنر نے چاروں مولویوں سے پوچھا، بہتے ہوئے پانی کے بارے میں فقہہ کا کیا حکم ہے۔ چاروں نے بیک زبان کہا ”اپنی ضرورت کا لے سکتے ہیں لیکن نیچے والوں کا پانی نہیں روک سکتے۔“

محفوظ نہیں۔

پڑوسی کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ لیکن ہماری سرزمین سے 57 ہزار دفعہ امریکی جہاز اڑے اور انھوں نے ان سرفروشنوں کو اپنے اللہ کے حضور سرخرو کرنے کے لیے شہادت سے سرفراز کیا۔ مورخ آج بھی تاریخ لکھ رہا ہے اور ویسی ہی لکھ رہا ہے جیسی اس کا تعصب اسے مجبور کرتا ہے۔ ملا محمد عمر کے خلاف تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ شروع شروع میں ان کے داڑھی اور حجاب کے حکم کے خلاف تھے۔ افغانستان کے ننانوے فیصد لوگ داڑھی اور حجاب والے تھے اور ایک فیصد ملا عمر کو ظالم کہنے والے۔ دوسرے وہ جن کا رزق منیات کے دھندے سے وابستہ تھا اور تیسرے مسلک کے تعصب میں اندھے کہ جنہیں کسی دوسرے مسلک کا سچ بھی جھوٹ لگتا ہے۔ لیکن قدرت کا عجیب انتقام ہے کہ وہ سب لوگ جو کل تک طالبان اور ملا محمد عمر کے خلاف بولتے نہیں تھکتے تھے اب ان کے تبصرے اور تحریریں بتاتی ہیں کہ امن کی گنجی تو طالبان کے پاس ہے۔ ہر کسی کو علم ہے کہ خوف داعش کا ہے اور ڈر کس نوعیت کا ہے۔ لیکن طالبان کے افغان دور کے پانچ سالوں کی خوشبو کی ایک مہک ہے جو اس زمانے میں پاکستان کے سرحدی اضلاع کے ہر فرد نے محسوس کی تھی۔ یہ خوشبو کیوں نہ پھیلتی، جس تحریک کا آغاز ملا محمد عمر نے رسول اکرم ﷺ کے جبہ مبارک پر بیعت لے کر کیا تھا، اس خوشبو نے تو پھیلنا ہی تھا۔



کھلا میدان تھا، جو کوئی جس ملک سے اٹھتا بغیر سوچے سمجھے وہاں آکر آباد ہو جاتا۔ ملا محمد عمر نے کہا کہ پہلے اسلام کے اصولوں کے مطابق بیعت کرو، ریاست کا حصہ بنو اور پھر ہمارے ساتھ مل کر جو چاہے کرو۔ اسامہ بن لادن اور القاعدہ نے بیعت کی۔ بیعت ان کے نزدیک شہریت کا نام تھا۔ اس بیعت کی اس قدر لاج اور شرم رکھی گئی کہ اس شخص یعنی اسامہ بن لادن کے لیے وہ دنیا کی 48 طاقتوں سے ٹکرا گئے۔ کیا زمانہ تھا۔ پاکستان کا سہا سہا وفد، امریکیوں کے ہمراہ اس مٹی کے گھر میں سادہ سی چٹائی پر بیٹھا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ تم اسامہ بن لادن کو حوالے کر دو ورنہ تمہاری اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ ملا محمد عمر نے کہا اس کے خلاف ثبوت فراہم کرو۔ امریکی تمام ثبوت لے کر آ گئے۔ سوال صرف ایک تھا، کیا ان ثبوتوں کی بنیاد پر امریکا کی عدالت اسامہ کو سزا سناسکتی ہے، امریکی بولے ناممکن، ملا محمد عمر بولے پھر ہم سے یہ توقع کیوں۔ اب ڈرانے کے باری تھی!

کہا مان جاؤ، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ انھوں نے کہا تباہ ہونے سے نہ ڈراؤ، ہم مٹی کے گھر میں رہتے ہیں، مٹی پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، اور ایک دن ہم نے مٹی میں چلے جانا ہے۔ صرف یہ بتاؤ ہماری وجہ سے پاکستان کو تو کوئی مسئلہ نہ ہوگا کیونکہ تم ہمارے بھائی ہو۔ پاکستانی وفد نے کہا ہمیں کوئی مسئلہ نہ ہوگا۔ بات ختم ہو گئی۔ اور پھر وہ جنہوں نے غیرت و حمیت کا درس تاریخ کو دینا تھا اور حق کی گواہی پر کھڑے ہونا تھا وہ ڈٹ گئے اور آج بھی ڈٹے ہوئے ہیں ہم نے تو سید الانبیاء کے اس ارشاد کی بھی لاج نہ رکھی کہ ”وہ مسلمان نہیں جس کی ایذا سے اس کا پڑوسی

طالبان کے اس گورنر نے جس کے ساتھ نہ تو کوئی سپاہی تھا اور نہ ہی مسلح دستے، بس اتنا کہا ”یہ بند تم توڑو گے یا ہم“ اور پھر صبح ہونے تک وہ ہفتوں میں بنا ہوا بند ٹوٹ چکا تھا۔ یہی زمانہ تھا جب 1947ء کے بعد پہلی دفعہ سروے آف پاکستان کی ٹیم نے ڈیورنڈ لائن یعنی پاک افغان سرحد پر برجیاں نصب کیں اور زمینی سروے مکمل کیا ورنہ ظاہر شاہ کے دور سے لے کر مجاہدین کے انتشار تک کسی حکومت کے دوران اس سرحد پر جانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ وہ افغانستان جو کبھی پاکستان سے چوری کی گئی گاڑیوں اور تانوان کے لیے لے جائے جانے والے مغویوں کا مسکن تھا۔ طالبان کے شروع کے زمانے میں وہ مغوی اور گاڑیاں پکڑ کر واپس کی جاتیں اور اس کی گواہی بارڈر کا ہر ڈپٹی کمشنر دے گا اور ایک سال بعد تو کسی کی جرأت نہ کہ چوری یا اغوا کر کے ادھر کا رخ کرے۔ پاکستان کے کسی مخالف قوم پرست کو افغانستان میں پر مارنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ وہ جو انگریز کے زمانے سے بھاگ بھاگ کر وہاں پناہ لیتے تھے بھیگی ملی بنے پاکستان میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں کی خفیہ ایجنسیوں نے ایک رپورٹ دے کر ایک وفد کو ملا عمر کے پاس بھیجا کہ آپ کے ہاں راس کوہ میں لشکر جھٹکوی کا کیمپ ہے جہاں وہ قتل کر کے پناہ لیتے ہیں۔ وہ جرنیل صاحب شکایت جمع کروا کر واپس آ گئے، لیکن اس کے بعد چاغی کے پاس جا کر جب طالبان نے معلومات کیں تو یہ کیمپ راس کوہ میں والبدین سے آگے پاکستان کے بارڈر پر تھا اور اس کی سرپرستی کرنے والوں کا نام لیتے ہوئے بھی پر جلتے ہیں۔ وہ افغانستان جو ہر جہادی تنظیم کے لیے ایک

امت کا ایک عظیم سپہوت

ملا محمد عمر مجاہدؒ !



خدایا ہم گواہ ہیں، ہم نے تیرے ایک بندے ملا محمد مجاہد کو اپنے دور کا ایسا ہی ایک کردار پایا ہے۔
دیکھنے والوں نے بیان کیا، وہ ایک بے حد سادہ آدمی تھا اور اُسے اپنی بابت کوئی زعم نہیں تھا۔
علماء کے آگے یوں فرشِ راہ گویا نور الدین زنگی! مگر وہ عزم و ہمت کا ایک پہاڑ تھا جسے دنیا کی سپریم طاقت لرزائے سکی۔

مجاہد کو اپنے دور کا ایسا ہی ایک کردار پایا ہے۔
تیرے دین کی سربلندی اور ملا محمد مجاہد تیری زمین
کے اس افغانستان نامی گوشے میں کوئی دوا لگ الگ
نام نہیں رہ گئے تھے۔ اُس کا جینا اور مرنا، اُس کا ٹوٹنا
اور جڑنا، اُس کی محبت اور اُس کا بغض، اُس کی دوستی
اور اُس کی دشمنی، اُس کا دینا اور نہ دینا، اُس کا ماننا اور
اُس کا اڑ جانا، اُس کا لڑنا اور اُس کا روپوش رہنا،
اُس کی سب تنگ و تاز۔۔۔ تیرے کلمہ کی نصرت تھی
اور اُس کی سب قربانیاں تاریخ کے اس منفرد ترین
عہد میں تیرے دین کی اقامت اور تیرے دشمن
کے کلمہ کو پست کرنا۔ وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهِ وَعِلَانِيَتِهِ،
فاغفر له وارحمه، اِنكَ اَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔

ایسا کردار شاید ہم تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے، مگر
ہم نے اسے اپنے عہد میں دیکھا! سید احمد بریلویؒ
اور شاہ اسماعیل دہلویؒ ایسی شخصیات کا مطالعہ آج ہم

تاریخ پر ثبت کروا کر جاتے ہیں۔ اور بھری دنیا ان
کے اس وثیقہ پر گواہ! بڑے سالوں اور عشروں
تک، خدا کے دشمن ایک شخص کے خون کے پیاسے
رہتے اور اس کی تلاش میں باؤ لے، اپنی ٹیکنالوجی
کے سب ذرائع جھونکتے، زمین کا چپہ چپہ چھانتے
ہیں، جبکہ خدا کے دوست اتنا ہی عرصہ اُس کی
خیریت و عافیت کے لیے خدا کے حضور ہاتھ اٹھائے
رہتے ہیں! ’ٹیکنالوجی‘ اور ’توکل‘ کے مابین ایک
ڈیڑھ عشرہ طویل گرم جنگ! حق اور باطل کی یہ
جنگ تو قیامت تک رکنے والی نہیں۔ لیکن کچھ لوگ
ہیں جو اپنے زمانے میں حق و باطل کی اس جنگ کا
باقاعدہ عنوان ہوتے ہیں! غیرتِ دینی، حمیت
ایمانی، امت کی عزت اور آبرو کچھ دیر کے لیے انہی
کا دوسرا نام ہوتا ہے!

خدایا ہم گواہ ہیں ہم نے تیرے ایک بندے ملا محمد

”خدایا وہ زندہ کبھی اُن ظالموں کے ہاتھ نہ
آئے۔۔۔“ خدایا اس امت کی لاج رکھ؛ اس شخص کو
کبھی اُن کے آگے سرنگوں نہ ہونے دے۔۔۔
”خدایا اس کے مٹھی بھر مجاہدوں کو دیارِ افغان پر حملہ
آور صلیبی افواج پر فتح یاب کر اور اس کی
بے سروسامانی کی تلافی اپنی قوت سے
فرما۔۔۔“ ڈیڑھ عشرے تک امتِ محمدؐ کے صالحین کی
یہ دعائیں لیتا رہنے والا سرکف، سربلند مجاہد امیر
ایک طویل قربانیوں سے لبریز زندگی گزار، آج
اپنے رب کے پاس ہے۔ اُسکے تپ دق (TB)
کے علاج کو اس بھری دنیا میں کوئی اسپتال نہ تھا! دنیا
کی سب توجہ اُس کی آشفتہ سری پر رہی جو اس کے
ڈرونوں سے نہ جاسکی! رَحِمَهُ اللہ رَحْمَةً وَّاسِعَةً۔

اس دنیا سے کس نے نہیں جانا! مگر کچھ لوگ ہیں جو
خدا کے ساتھ اپنی محبت اور وفاداری کی مہر صفحہ

اپنی کتابوں اور نصابوں کے اندر ہی تو کرتے ہیں! لکھنے والوں نے لکھا کہ: برصغیر کے مسلمانوں کے

”تحریک طالبان افغانستان“ کو قدرت نے گویا ’یونی پولر ورلڈ‘ کا بھرکس نکالنے کے لیے ظہور کروایا تھا۔ ہندوکش کے پہاڑ جن کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر اس سے پہلے دو سپر طاقتوں برطانیہ اور روس نے اپنا سر پھوڑا تھا، اب تیسری سپر طاقت امریکہ کا غرور خاک میں ملانے کے لیے بے تاب تھے۔

پاس خدا کو دکھانے کے لیے اگر کچھ ہے تو وہ چند سال جب سید احمد بریلوی کی قیادت میں انہوں نے خدا کی شریعت کی اقامت کی ایک ایسی دل آویز تصویر پیش کی جو خلافت راشدہ کی یاد دلاتی تھی۔ لکھنے والے یقینی طور پر اب اُن چند دل آویز سالوں کے ساتھ ان چند تابناک سالوں کا بھی ذکر کریں گے جو خطہ افغانستان میں ملا عمر مجاہد کی قیادت میں اہل اسلام کو نصیب ہوئے اور جنہیں دیکھ کر اہل اسلام کو بجا طور پر اپنا خلافت راشدہ کا عہد یاد آ جاتا رہا ہے۔ اقامت شریعت، عدل و انصاف، امن، سادگی، جواہد ہی اور احتساب کے ایسے دل آویز مناظر کہ آدمی کو یقین ہی نہ آئے یہ امت اپنے گزرے ہوئے عہد کو ایک اتنے طویل دورِ زوال کے بعد اس کامیابی کے ساتھ واپس لا سکتی ہے۔ امت کی کھوئی ہوئی امیدوں کو بحال کر لانے اور عہدِ رفتہ کو اپنے دور میں واپس لے آنے میں اس شخص کا جو کردار رہا وہ بڑوں بڑوں کو حیران

کر گیا۔ اقامت شریعت کا اتنا عظیم اور اتنا کامیاب مظاہرہ، کون اس کا یقین کر سکتا تھا! بہت سی تحریکوں نے شروع میں اس کو یوں دیکھا گویا وہ کل کا بچہ ہو، مگر دیکھتے ہی دیکھتے وہ ان سب پر بازی لے گیا! بڑے لوگ اس امت میں اُس سے بڑھ کر علم والے ہوں گے۔ بڑے لوگ اُس سے بڑھ کر صلاحیتوں والے ہوں گے۔ دیکھنے والوں نے بیان کیا، وہ ایک بے حد سادہ آدمی تھا اور اُسے اپنی بابت کوئی زعم نہیں تھا۔ علماء کے آگے یوں فرشِ راہ گویا نور الدین زنگی! مگر وہ عزم و ہمت کا ایک پہاڑ تھا جسے دنیا کی سپریم طاقت لرزائے نہ سکی۔ اُس کا حوصلہ ہمالیہ سے اونچا تھا۔ بحر ہند میں صف آرا صلیبی بحری بیڑوں سے اٹھنے والے طیاروں اور اسلحوں کی گھٹائیں ڈیڑھ عشرے تک اس ہمالیہ و ہندوکش سے ٹکراتی رہیں لیکن یہ ہمالیہ جوں کا توں رہا۔ درجنوں کافر ملک مل کر اپنے ہتھیاروں کا زور لگا بیٹھے مگر اس کے عزم کو شکست نہ دے سکے۔ ہاں مگر اس کے عزم نے ایک ایک کر کے ان سب کو شکست دے ڈالی اور ملتِ صلیب کے لشکرِ ناکام و نامراد اس کی سرزمین سے نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ ٹیکنالوجی کے مقابلے پر ایمان کی قوت! اُس کے مجاہد اپنی منزل کے بے حد قریب آ گئے تھے کہ خدا نے اپنے اس بندے کو اپنے پاس بلا لیا! خدا یا ہم تیری تقدیر پر راضی ہیں۔

إن العین تدمع، وإن القلب یحزن، ولا نقول إلا ما یرضی ربنا، وإنا بفراقک أیہا القائد المجاہد لمحزونون۔ آنکھ روتی ہے۔ دل افسردہ ہے۔ مگر ہماری زبان پر ہرگز کوئی کلمہ نہ آئے گا سوائے وہ جس سے ہمارا پروردگار راضی ہو۔

اے مجاہد امیر! تیرے فراق پر ہم بے حد غمگین ہیں۔ إنا لله وإنا الیہ راجعون۔ اللہم أجزنا فی مصیبتنا، واخلفنا خیراً منہ۔ ہم خدا کی چیز ہیں اور خدا کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ خدایا ہماری اس مصیبت کی تلافی فرما اور ہمیں اس کا بہتر بدل دے۔ خدایا! ہمارا سہارا پہلے بھی تیرے سوا کوئی نہیں تھا اور آج بھی تیرے سوا کوئی نہیں۔ اُنت مولانا، فنعم المولیٰ ونعم النصیر۔

ملا عمر مجاہد! تاریخ کے کس باب کا عنوان تھا؟ نوے کی دہائی شروع ہوئی تو سوویت ہلاک زمیں بوس ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ افغانستان میں اسلام کے شیروں کی بہادری اور جانفروشی کے دم سے ہوا جو اسی کا پورا عشرہ جاری رہی تھی۔ مگر ضیاء الحق اور عبداللہ عزام کی ناگہانی شہادت، پاکستانی سیاست کے منظر نامے پر الذلفقار کی باقیات کے یکا یک ظہور، اور افغان قیادتوں کے باہم دست و گریبان ہو جانے اور افغان جہاد کے ثمرات کو مقامی طور پر بھی نہ سمیٹ پانے کے نتیجے میں..... دنیا اب یہ تصویر یوں دیکھ رہی تھی کہ روس کو گرانے کے لیے درکار مسلم جذبہ امریکہ کی ایک جنگ جیتنے کے کام آیا ہے اور دنیا یکلخت ایک ’یونی پولر ورلڈ‘ میں ڈھل گئی ہے۔ تب ملتِ صلیب دنیا کی واحد سپر پاور تسلیم ہونے لگی۔ یہ نوے کی دہائی کے ابتدائی سال ہی تھے کہ دنیا کا ہر اخبار نیو ورلڈ آرڈر کی نوید سنا رہا تھا۔ نیو ورلڈ آرڈر جس کا ترجمہ ہمارے کچھ فکر مند حلقوں کے ہاں یوں کیا جا رہا تھا گویا عملاً دجال نکل آیا ہے۔ امریکہ اپنی ترقی گردن کے ساتھ جہانِ انسانی کو ایک نیا بینائی کے ساتھ narrative جاری کر کے دے رہا تھا اور کسی کی

انبیاء کے پیروکار خواہ کتنے ہی تھی دست ہوں، مگر عالمی جاہلیت کے وجود میں انہیں دیکھتے ہی کچھ ایسی سنسنی دوڑتی ہے جو کو تو الی پر نظر پڑنے کے ساتھ ایک چور کے وجود میں۔۔

ہمت نہ تھی کہ روس کے ہاتھ کھڑے کر دینے کے بعد وہ امریکہ کی سنی ان سنی کر دے۔ وہ اور اُس کے صلیبی اتحادی اپنی طاقت کے نشے میں دھت، مسلمانوں کے مرکز جزیرہ عرب پر اپنی فوجیں اور بحری بیڑے چڑھالائے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے عالم عرب کی سب سے طاقتور فوج 'عراقی آرمی' کو بیٹھی بٹھوں sitting ducks کی طرح بھون ڈالا۔ 'نئے مشرق وسطیٰ' کا نقشہ گویا پریس میں چھپنے کے لیے جا چکا تھا۔ فوکو یاما نے "The End of the History" کے بگل بجا ڈالے۔ امریکی دانشور کی یہ ایک کتاب تھی جس میں گویا اعلان کر دیا گیا کہ لبرل سرمایہ داری ہلاک کی اس حیرت انگیز فتح کے بعد دنیا کے لیے اب کچھ نیا دیکھنا باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہان میں اب لبرل ڈیموکریسی ہی راج کرے گی اور کسی کو مجال نہیں کہ 'مغرب سے ابھرتے ہوئے' اس سورج کو پوجنے سے انکار کرے۔ سہمے ہوئے عرب امریکہ بہادر کی انگلی پکڑے میڈیٹریڈ اور اسلو ویتھوں پر انگوٹھا لگانے جا پہنچے اور اس کے علاوہ بھی ہر 'ہدایت' پر عمل کرنے کے لیے منتظر اشارہ! اسرائیل کی شرطوں پر مشرق وسطیٰ کے سب معاملات نمٹائے جانا ٹھہر گیا تھا۔ پورا عالم عرب اب اسرائیل کی کالونی ہوگی، مستقبل کی یہ ڈراؤنی تصویر ہر کسی کو نظر آ رہی تھی۔ پورے پورے کالم اس مضمون کے چھپنے لگے تھے کہ: عالم عرب کی تجارتی منڈیاں اور مادر ہائے علمی نیز یہاں کے ثقافتی مراکز آئندہ سے تل ابیب کے یہود کے سپرد ہوں گے، عین اسی طرح جس طرح شمالی امریکہ کی منڈیاں، یونیورسٹیاں اور وہاں کا میڈیا اور شو بزنس نیویارک

کے یہود کی دسترس میں ہے۔ یعنی تل ابیب کے یہودی کو مراکش اور تیونس سے لے کر یمن تک کی جامعات میں اور یہاں کی تجارتی و ثقافتی سرگرمی میں ویسی ہی مؤثر رسائی حاصل ہوگی جیسی رسائی نیویارک کے یہودی کو کیلی فورنیا اور ٹورنٹو سے لے کر فلوریڈا تک کے تجارتی و تعلیمی و ثقافتی مراکز پر حاصل ہے۔ مسلم مشرق وسطیٰ خاص طور پر، اور مسلم دنیا عمومی طور پر، 'جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات' صاف طور پر اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ پائے ماندن نہ جائے رفتن۔ اس اندھیری رات میں امید کی دو کرنیں سامنے آئیں: ایک فلسطین کی "انقاضہ"، جو اسی کے دہائی کے اواخر میں ہی بیت المقدس کے اطراف و اکناف کر دہیں لینے لگی تھی اور نوے کے اواخر تک پہنچتے پہنچتے خوب جوان اور توانا نظر آنے لگی۔ دراصل یہ عالمی جہاد کا وہ سورج تھا جو اسی کی دہائی کے اواخر میں افغانستان کے اندر ڈوبتا نظر آیا تو فلسطین میں جا طلوع ہوا۔ "انقاضہ" کی لہروں پر جلد ہی "حرکتہ المقاومة الاسلامیہ" (مخفف: "حماس") جلد ہی اپنا ظہور کرنے لگی، جسے بعد ازاں ارض بیت المقدس کی منظم ترین جہادی جماعت ہونا تھا۔ دوسری "تحریک طالبان افغانستان"، جو نوے کی دہائی کے وسط میں قندھار کی سرزمین سے کسی زور آور گھٹا کی طرح اٹھ رہی تھی اور اس کی پیش قدمی کے آگے افغانستان کے سب قلعے اور شہر لرز رہے تھے۔ اول الذکر نے تل ابیب کے خواب چکنا چور کر ڈالے۔ اور ثانی الذکر نے واشنگٹن کو اندیشہ ہائے دوردراز میں مبتلا کر دیا۔ نیز۔۔ نئی دہلی اسے دیکھ دیکھ کر ہول کھا رہی تھی۔ دونوں تحریکیں عسکری قوت ہونے کے علاوہ ایک سیاسی و سماجی تاثیر کی مالک تھیں۔ وہ سارا معاملہ جو ہمارے اس خطے میں افغان جہاد کو اُس کے طبعی انجام تک پہنچانے کے حوالے سے ضیاء الحق اور عبداللہ عزائم کی شہادت کے نتیجے میں دھرا کا دھرا رہ گیا تھا بلکہ ایک بہت بڑے بحران کی صورت دھار گیا تھا، یہاں تک کہ دنیا بھر کی کافر قوتیں افغانستان میں اپنے اپنے مفادات کی خاطر کھیلنے لگی تھیں۔ "تحریک طالبان افغانستان"، کی صورت میں اس کے ایک بڑے حصے پر نہ صرف کامیابی کے ساتھ قابو پا لیا گیا بلکہ پیش قدمی کی ایک نہایت اعلیٰ صورت بھی سامنے آگئی تھی۔ یہ روس کے خلاف لڑے جانے والے افغان جہاد کا ایک حوصلہ مند و توانا عنصر تھا جو مفادات کی سیاست کے آگے سپر ڈالنے پر آمادہ نہ تھا۔ افغانستان کا یہ نو جوان جس کی مسیس روس کے خلاف جہاد کے دوران بھیگی تھیں، اپنی قوم کے قربانیوں سے لبریز جہاد کو اُس کے طبعی انجام تک پہنچانے کے لیے آخری حد تک پر عزم تھا۔ شریعت سے تسک اور اجتماعی سپرٹ سے لبریز ہونے میں یہ نو جوان اپنے سے پہلے مجاہد کی نسبت کہیں پختہ اور پُر عزم تھا۔ اس کے نو جوان قائد ملا عمر مجاہد نے اس میں عزم و حوصلہ اور فدائیت و

اطاعتِ نظم کی ایک نئی روح پھونک ڈالی تھی۔ وہ افغانستان جو ایک طرح سے کھود یا گیا تھا، ”تحریک طالبان افغانستان“ کے ہاتھوں ایک بار پھر اسلام کو مل گیا تھا! مگر یہ سب ایک نئے دور کی شروعات تھیں۔ یہ کوئی ”علاقائی عجوبہ“ regional phenomenon جیسی کوئی چیز نہ تھی۔ اس ”تحریک طالبان افغانستان“ کو قدرت نے گویا ’یونی پولرولڈ‘ کا بھرکس نکالنے کے لیے ظہور کروایا تھا۔ ہندوکش کے پہاڑ جن کی سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر اس سے پہلے دو سپر طاقتوں برطانیہ اور روس نے اپنا سر پھوڑا تھا، اب تیسری سپر طاقت امریکہ کا غرور خاک میں ملانے کے لیے بے تاب تھے۔ ’عالمی توازن‘ کو بحالی دینے اور یوں پورے انسانی جہان کا بھلا کرنے کی یہ سعادت اس بار ”تحریک طالبان افغانستان“ کے حصے میں آنے والی تھی۔

یہ تحریک اپنے کام سے کام رکھنے کی پالیسی پر گامزن تھی۔ نہ کسی کو چھیڑنا نہ برا بیچنا کرنا۔ افغانستان کو شریعتِ اسلام کا محکوم اور امن کا گہوارہ بنانا اس کی بنیادی ترجیح تھا؛ جس کا اسے پورا حق تھا۔ اپنی اس بنیادی ترجیح کے بار بار اعادہ کے سوا، نہ کبھی اس نے امریکہ کے خلاف بڑھک لگائی تھی نہ بھارت کے خلاف اور نہ کسی اور عالمی طاقت کے خلاف۔ نظر شاید دُور دُور تک دیکھتی تھی لیکن زبان کو حکمت کی لگام تھی؛ سولہ پر وہی آتا جس کا وقت ہوتا! تو واضح، انکساری، بردباری، دلیری، زندہ دلی، صبر، قناعت، جفاکشی، خودداری اور خود انحصاری اس کی عملی پہچان تھی۔ اسلامی روایات کے ساتھ افغان روایات گندہ کر جو ایک چیز بنتی اس کا نام ”تحریک طالبان افغانستان“ تھا۔ پورے عالم اسلام اور اس

کے تمام ممالک کی طرف دوستی کا ہاتھ اس کی طرف سے مسلسل بڑھا رہا تھا جسے ابھی تک صرف پاکستان، سعودی عرب اور امارات کے طرف سے ہی ایک مثبت جواب مل پایا تھا اور باقی شاید ابھی گو ملو کی کیفیت میں تھے۔ مسلم ملکوں کے ساتھ کسی قسم کا تصادم اور محاذ آرائی کسی بھی نظریے یا کسی بھی فلسفے کے تحت اس کے افکار میں سرے سے شامل نہ تھا۔ پورا عالم اسلام اسے اپنا مشترکہ اثاثہ سمجھتا تو حق بجانب ہوتا۔ ہاں عالمی کفر اس کو شمشیر بے نیام کی طرح دیکھتا اور بظاہر کوئی وجہ نہ رکھنے کے

افغانستان کا یہ نوجوان جس کی میں روس کے خلاف جہاد کے دوران بھیگی تھیں، اپنی قوم کے قربانیوں سے لبریز جہاد کو اُس کے طبعی انجام تک پہنچانے کے لیے آخری حد تک پر عزم تھا۔ شریعت سے تمسک اور اجتماعی سپرٹ سے لبریز ہونے میں یہ نوجوان اپنے سے پہلے مجاہد کی نسبت کہیں پختہ اور پُر عزم تھا۔

باوجود، ایسا دیکھنے میں وہ بھی شاید حق بجانب ہی تھا! ایک طرف مٹھی بھر مجاہدوں کی یہ جماعت جو اپنے ملک کے بکھیڑوں سے ابھی نہ نمٹ پائی تھی۔ دوسری طرف عالمی کفر دونوں ایک دوسرے کو کُن انکھیوں سے مگر بغور دیکھ رہے تھے۔ وہی محمد قطب کے الفاظ کہ ’انبیاء کے پیروکار خواہ کتنے ہی تہی دست ہوں، مگر عالمی جاہلیت کے وجود میں انہیں دیکھتے ہی کچھ ایسی سنسنی دوڑتی ہے جو کو تو والی پر نظر پڑنے کے ساتھ ایک چور کے وجود میں۔ چور کی اس وحشت

اور سرسبکی کی وجوہات خارج میں تلاش کرنا عبث ہے؛ اس کی وجوہات چور اور کو تو والی کے اس دو طرفہ رشتے کے اپنے ہی اندر پڑی ہیں۔ یہ رشتہ کبھی بدلنے والا نہیں؛ انبیاء کے پیروکاروں کو پینٹا چھوڑنا جاہلیت کے دستور کے خلاف ہے۔ اور بلاشبہ ایسا ہے۔ ’اسامہ بن لادن‘ کا بہانہ نہ بھی ہوتا، اسلام کے اس مضبوط دُور رس ٹھکانے کو تہس نہس کرنے کے اور لاکھ بہانے ہوتے۔ یہ سادہ حقیقت ملامت مجاہد کی نگاہ سے روپوش کیسے رہ سکتی تھی۔ لیقضى الله أمراً كان مفعولاً۔ جارج قوتوں کے ساتھ دودو ہاتھ ہونا گویا نوشتہ دیوار تھا۔ یہ کچھ کر لیں، وہ انہیں ان کے حال پر چھوڑنے والے نہیں سوائے یہ کہ اُن کی ملت کی بیروی ہو۔ یہاں؛ دشمن سے اپنے وجود کے لیے رحم کی بھیک مانگنے والا ملامت مجاہد نہ ہو سکتا تھا! اس کا تو مردانہ وار مقابلہ ہی ہونا تھا!

امریکہ کے ساتھ کوئی تنازع خود اس نے نہ کیا تھا۔ لیکن حالات پر نگاہ رکھنے والے پر واضح ہے، امریکہ کبھی اس کو چھوڑنے والا نہ تھا، سوائے یہ کہ امریکہ کو اس پوزیشن میں نہ رہنے دیا جائے کہ وہ جب چاہے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے کسی مسلم ملک پر چڑھ دوڑے۔ امریکہ کو اس پوزیشن سے نیچے لانے کی یہ نیکی شاید افغانستان میں اٹھنے والی اسی تحریک کو انجام دینی تھی۔ ایک درندہ دنیا میں کھلا پھرتا ہو تو آپ کہیں دنیا میں اپنا اسلامی تجربہ نہیں کر سکتے۔ درندے کو اتنا سا ہلکا کرنا ضروری ہے۔ اور شاید اتنا ضروری کہ اپنے اسلامی ریاست و سیاست کے پروگرام کو بھی اس ہدف کے انجام پانے تک کچھ نہ کچھ موخر کر لینا ضروری ہو۔ کیونکہ، جیسا کہ ہم نے کہا، یہ درندہ جب تک یوں دندنا تا ہے، اسلامی

ریاست و سیاست کا کوئی پروگرام سرے سے محفوظ ہی نہیں ہے۔ بلکہ کوئی مسلم ملک اور اس کا کوئی سٹریٹجک پروگرام محفوظ نہیں ہے۔ پس ایک معرکہ ہونا ٹھہر گیا تھا۔ دنیا کو یونی پلر ورلڈ سے باہر لانا ضروری تھا، جہاں یہ اپنا توازن خود قائم کرے۔ جہاں میں ایک مطلق العنان سپریم طاقت جو اپنے صلیبی ایجنڈا کے تحت یہاں کے ہر معاملے کو اپنے اشاروں پر چلانے اور اپنے کنٹرول میں رکھنے پر بضد ہو، اس کا اتنا ساز و توڑ دینا ضروری ہے، کہ آئندہ کسی مسلم ملک میں فوجیں اتارنے سے پہلے وہ ہزار بار سوچے کہ آیا وہ اس کی جانی و مالی و معاشی قیمت دے سکتی ہے؟ پس اسلامی ریاست و سیاست کا کوئی پروگرام اس حالیہ غیر متوازن دنیا میں فی الحال ایک لانگ ٹرم پروگرام ہی ہو سکتا ہے۔ فوری کام جہاد کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے سوا آپ جو کریں، فی الحال غیر محفوظ ہے۔ ملا عمر مجاہد کی اسلامی تحریک پر یہ بات واضح تھی۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر ملتِ صلیب کے ساتھ اس طویل المرحلہ جہاد کا آغاز کر دیا گیا۔ آزادی کی جنگ کا یہ ایک باقاعدہ مرحلہ ہے، جس کے ثمرات آئندہ نسلیں ان شاء اللہ ضرور سمیٹیں گی۔ یہ دراصل اُمّ المہارک ہے۔ آپ کے بہت سے قومی و اجتماعی اہداف اس مرحلہ کے سرے لگنے کے ساتھ ہی متعلقہ ہیں۔ اور کیا معلوم ’تحریکِ طالبان افغانستان‘ نے اور کتنے مسلم ملکوں کا بھلا کر دیا ہو۔ بلکہ کیا معلوم ملا عمر کے اس جہاد نے کتنی غیر مسلم مظلوم اقوام کا بھلا کر دیا ہو!

اس مجاہد کو پوری دنیا کا محسن کہیں تو غلط نہ ہو!

جہاں تک کارکردگی کی بات ہے۔ تو پورے جہاں نے دیکھا، مسلمانوں کا یہ عالمی جہاد دوسری سپر پاور

(امریکہ) کے خلاف بھی کامیاب جا رہا ہے۔ یہ کوئی آسان مشن نہ تھا، یقیناً اس میں ہمارے کچھ بڑے بڑے نقصان ہوئے، لیکن مجموعی کارکردگی ٹھیک ٹھاک حوصلہ افزا ہے۔ اس دوران عالمی توازن اپنی جگہ سے ہل کر کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ روس کی شکست بھی دراصل اسلحہ یا فوج کی کمی کے باعث نہ ہوئی تھی بلکہ جنگ اُس کی معیشت لے ڈوبی تھی۔ امریکی معیشت بھی پچکولے کھانے لگی۔ دوسری معیشتیں اس کے مقابلے پر تیزی سے سراٹھا رہی ہیں۔ افغانستان سے اُس کے نکلنے کے پیچھے بہت حد تک یہی معاشی حقیقتیں ہیں۔ عراق میں اب وہ اپنی فوجیں اتارنے پر تیار نہیں، بلکہ یہ کام وہ ایران سے لینے کی کوشش میں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں، ملتِ صلیب کے خلاف اٹھنے والی عالم اسلام کی جہادی تحریکیں اپنے اس ابتدائی ہدف میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ عالم اسلام پر فوجی بوٹوں کے ساتھ چڑھ دوڑنا اب اتنا آسان نہیں رہا۔ اس کی قیمت انکل سام کے بس سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ یہ فرق محض ایک ڈیڑھ عشرے کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔ تحریکِ طالبان افغانستان کے ہاتھوں شروع ہونے والے اس مشن کو کئی صورتوں میں شاید ابھی جاری رہنا ہے۔ اپنے جہادی عمل میں ملا عمر وسعت اور گنجائش کے منہج پر تھے۔ اس معاملہ میں ان کا طریقہ شدت پسند گروہوں کی راہ سے ہٹ کر نظر آتا ہے۔ بلکہ اس حوالہ سے وہ ہمیں عبداللہ عزامؒ کے منہج کے قریب نظر آتے ہیں۔ یعنی جہاد کے حق میں دستیاب امکانات کو بھرپور طور پر لینا۔ مسلم ملکوں، ان کی حکومتوں اور ان کے اداروں سے، اپنے جہادی عمل میں تعاون دینے اور لینے کے معاملہ میں

سلبی نہ ہونا۔ نیز یہاں کسی قسم کا محاذ کھولنے سے گریز کرنا۔ مسلم ملکوں کی قیادتوں کے ساتھ غایت درجہ صبر اور وسعتِ نظر اختیار کرنا؛ اور اس معاملہ میں کسی ممکنہ بھلے وقت کا راستہ اپنے ہی ہاتھوں مسدود نہ کر لینا۔ تکفیر اور تصادم کے لہجوں سے از حد دور رہنا۔ یہ ایک کمال بُردباری اور دُوراندیشی کا متقاضی راستہ ہے، جس سے اللہ نے ملا عمر مجاہد کو بہرہ مند کر رکھا تھا۔ اسی حکمت اور ترجیحِ مصالح کی راہ پر چلتے ہوئے ابتداء میں ملا عمرؒ اپنی تحریک کو افغان سرزمین پر تیزی کے ساتھ آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس معاملہ میں ان کی اپروچ وہی تھی جو اس سے پہلے (روس کے خلاف) افغان جہاد میں اختیار کر رکھی گئی تھی؛ اور جس پر شیخ عبداللہ عزامؒ یہاں کے جذباتی نوجوانوں کے اقامتِ شریعت، عدل و انصاف، امن، سادگی، جواہد ہی اور احتساب کے ایسے دل آویز مناظر کہ آدمی کو یقین ہی نہ آئے یہ امت اپنے گزرے ہوئے عہد کو ایک اتنے طویل دورِ زوال کے بعد اس کامیابی کے ساتھ واپس لا سکتی ہے۔ امت کی کھوئی ہوئی امیدوں کو بحال کر لانے اور عہدِ رفتہ کو اپنے دور میں واپس لے آنے میں اس شخص کا جو کردار رہا وہ بڑوں بڑوں کو حیران کر گیا۔

اشکالات دور فرماتے رہے تھے۔ یعنی کافر و غاصب قوموں کے خلاف جہادی عمل میں مسلم ملکوں اور ان کے اداروں کے ساتھ تعاون کی ممکنہ راہیں مسترد نہ کرنا، اور جس قدر ممکن ہو اس کے راستے کھلے رکھنا۔

شرم آمد کہ بے وضو نام محمد بر زبان بر آئم

ناصر الدین محمود بادشاہ تھا۔ پیشہ کے لحاظ سے کاتب تھا، مگر سید اس کا عشق رسول ﷺ سے معمور تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ وہ اپنے دل میں جذبہ و احترام رسول ﷺ کے پیش نظر بغیر وضو کے حضور اقدس ﷺ کا نام زبان پر نہیں لاتا تھا۔ اس کے ایک خادم کا نام محمد تھا۔ ضرورت پڑی تو ایک روز اس کو تاج الدین کہہ کر پکارا۔ سلطان کے اس انداز سے مصاحب کو خیال پیدا ہوا کہ شاید کسی وجہ سے سلطان اس پر ناراض ہے اس لیے اس کو اس کے اپنے اصل نام (محمد) سے نہیں پکارا۔ اس افسوس اور رنج کی وجہ سے وہ مصاحب تین روز تک دربار سے غیر حاضر رہا۔ سلطان نے ایک روز اس کو گھر سے بلا کر غیر حاضر رہنے کی وجہ دریافت کی تو مصاحب نے عرض کیا۔

بادشاہ سلامت! آپ مجھے محمد کے سوا کبھی کسی دوسرے نام سے نہیں پکارتے تھے۔ اس روز خلاف عادت تاج الدین کہہ کر مخاطب فرمایا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاج سلطانی میں خاکسار کی طرف سے کوئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ سلطان نے اس پر اصل حقیقت واضح کی اور قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس وقت میں بے وضو تھا، لہذا،،،،، شرم آمد کہ بے وضو نام محمد بر زبان بر آئم۔۔۔۔۔ مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو کے نام محمد (ﷺ) زبان پر لاتا۔۔۔۔۔

مجاہد کے ہی سر سجے گا۔ ایک مسلم امارت کے سربراہ کی حیثیت میں یہ تمنہ اسی کا حق ہے: پہلا افغان جہاد، جس میں روسی سپر پاور کو گرایا گیا، بے شک ایک عظیم جہاد تھا۔ بے شک اُس میں قربانیوں کی عظیم داستانیں رقم کی گئیں۔ لیکن اُس میں پورا مغربی بلاک اپنے اسلحہ اور سہولیات سمیت مجاہدین کے ساتھ کھڑا تھا۔ نیز عالم اسلام کے بہت سے ممالک اپنے بھاری بھر کم امکانات کے ساتھ اس کی پشت پر تھے۔ ایک بڑی سطح پر، یہ دو بلاکوں ہی کی جنگ تھی۔ پھر بھی مجاہدین کو ایسی ایسی فدا کی مہمات انجام دینا پڑیں کہ عقل دنگ رہ جائے۔ اس کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو ایک نظر عبد اللہ عزامؒ کی خودنوشتیں دیکھ لینا کافی ہوگا۔ مگر..... جہاد کا یہ مرحلہ جو امریکی سپر پاور اور اُس کے متحدہ مغربی بلاک NATO کے خلاف پچھلے ڈیڑھ عشرہ میں لڑا گیا، یہاں تو سب سہارے ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ مد مقابل اس قدر عظیم عسکری اتحاد اور ادھر ایک مٹھی بھر جماعت جس کے ساتھ کوئی نہیں! اس صورتحال پر تو لوگ ہنس ہنس کر پاگل ہو رہے تھے؛ اور ایسا تو بلاشبہ روس کے خلاف جہاد کے موقع پر بھی پیش نہ آیا تھا۔ یہ تو گویا ایک معجزہ تھا۔ ایک تہی دست مجاہد کا اللہ پر توکل کرنا یہاں عقول کو جس طرح مبہوت کرتا ہے، اس کی کہیں مثال نہیں۔ پوری ایک قوم کا جہاد ایک قائد نے کسی دنیوی سہارے کے بغیر لڑ کر دکھایا..... اور دشمن کو ناکوں چنے چبوائے۔

اس بلندی پر ملا عمر مجاہدؒ کے سوا آپ کسے پاتے ہیں؟ اللہم اجزہ عن أمة الإسلام خير ما جزيت به عبادك المجاہدين۔

بشکریہ (ایقاظ)

ہم اپنی نجی مجالس میں یہ کہتے رہے ہیں، ملا عمر مجاہدؒ شروع دن سے اسی عبد اللہ عزامؒ والی وسعت کی راہ پر تھے۔ بعد میں بھی، خواہ حالات جتنے ہی نامساعد ہوئے ہوں، ہمیں کوئی اشارہ ایسا نہیں ملا کہ ملا عمرؒ نے اپنا یہ منہج تبدیل کر لیا ہو، اگرچہ بعض لوگ اپنے کچھ محدود حلقوں میں ایسا کتنا ہی تاثر دینے کی کوشش کرتے رہے ہوں، مگر ملا عمرؒ کے اپنے کسی بیان یا اقدام سے کبھی ایسا کوئی قرینہ نہیں ملا۔ بعد کے حالات سے تصویر جیسے جیسے واضح ہوئی، ہمارے اس اندازے کو تقویت ہی ملی۔ جتنے بھی شواہد اب تک سامنے آئے، ان سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ ملا عمر اور ان کے رفقاء کا رشدت پسندی کی راہ سے قطعی الگ تھلگ تھے اور عالم اسلام میں زیادہ سے زیادہ دوست پیدا کرنے کی پالیسی پر گام زن۔ عالم اسلام میں جگہ جگہ اپنے لیے دشمن کھڑے کرنا یا ان کے لیے 'کافر' اور 'مرتد' ایسے لفظ عام کرنا ملا عمرؒ اور ان کی جماعت کا اسلوب نہ تھا۔ نہ بعد ازاں یہ چیز کبھی ان کے منہج میں داخل ہوئی۔ یہاں تک کہ خود شدت پسند حلقے ہی، جو گزشتہ سالوں کے دوران ملا عمرؒ اور ان کی تحریک طالبان کو اپنا ہمنوا باور کراتے رہے ہیں، اب یہ 'انکشاف' کرنے لگے کہ ملا عمر، جلال الدین حقانی اور ان دونوں کے رفقاء کا رتو مدائنت کی راہ پر پائے گئے ہیں! ہماری نگاہ میں دورِ حاضر کا ایک نہایت سلیم منہج ہے جس پر ہمارا یہ مجاہد پایا گیا۔

سرزمین افغانستان میں اقامت شریعت کے علاوہ۔۔۔ معاصر جہاد میں ملا عمر مجاہدؒ کا صحیح مرتبہ اور اعزاز کیا ہے؟

تاریخ جب بھی ذکر کرے گی، یہ سہرا ہمارے اس

آؤ پھر سے اسلام پر "ایمان"

پیدا کریں!

مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندویؒ

بلاشبہ یہ ارتداد ہے، لیکن وہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکا، کیوں؟

لیکن یاد رکھئے اس مسئلہ کا علاج جنگ نہیں، اور نہ اس پر رائے عامہ کو بھڑکانا درست ہے،

ان ملکوں میں اس عہد قبل اسلام کو سرمایہ افتخار گردانا جا رہا ہے، جسے اسلام "جاہلیت" اور صرف جاہلیت کا نام دیتا ہے۔۔۔

اس کے اور اس کے اہل قربات کے درمیان تمام رشتے اور تعلقات کٹ جاتے تھے۔ اور ارتداد کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آدمی گویا ایک دوسرے معاشرے اور ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا، مرتد کا خاندان اس کا بالکلیہ بایکٹ کر دیتا تھا اب نہ رشتہ رہتا تھا نہ نکاح، نہ اخوت نہ وراثت، ارتداد کی اگر کوئی لہر کبھی اٹھتی تھی اس سے بین الادیانی کشمکش برپا ہوتی اور مسلمانوں میں مقاومت اور اسلام کے دفاع کی روح بیدار ہو جاتی تھی، جس اسلامی ملک میں ایسے واقعات پیش آ جاتے تھے وہاں کے علماء، داعیان اسلام اور اہل قلم پر جوش طریقہ سے ان کے خلاف صف آراء ہو جاتے، ان کے اسباب کا کھوج لگاتے اور اسلام کے محاسن و فضائل کو سامنے لاتے تھے، اس مسلمان

مذہب اختیار کر لیا لیکن ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر بدنصیب ہسپانیہ کے فتنہ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کر کے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے جیسا کہ مؤرخین مذاہب کا اعتراف ہے۔

یہ واقعات جب کبھی پیش آئے ان پر ہمیشہ دو اثر مرتب ہوئے ہیں، (۱) مسلمانوں کی طرف سے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی، (۲) اسلامی سوسائٹی سے قطع تعلق یعنی جو کوئی اپنے دین سے منحرف ہوتا تھا وہ مسلمانوں کے سخت غیض و غضب کا نشانہ بنتا تھا اور اس اسلامی معاشرے سے خود بخود منقطع ہو جاتا تھا، جس میں اس کی بود و باش ہوتی، مجر دارتداد سے

اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں، سب سے بڑا اور سخت سانحہ ارتداد عرب قبائل کا ارتداد تھا جو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے معاً بعد پیش آیا یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بے نظیر عظم و ایمان سے سرائٹھاتے ہی کچل دیا تھا، دوسرا بڑا ارتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کر لینے کی وبا تھی جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رونما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیر نگین تھے اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لئے سرگرم عمل تھے ان معتد بہ واقعات کے علاوہ ارتداد کے وہ اکا دکا واقعات بھی ہیں کہ مثلاً ہندوستان میں کسی خفیف العقل اور پست طبیعت فرد نے اسلام کو چھوڑ کر دوسرا

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے، جنگی بنیاد اس عالم میں کارفرما (متصرف) قوت کے انکار پر تھی،

معاشرے کا یہ حال ہو جاتا جیسے قلق و اضطراب اور غیض و غضب کی ایک موج آ کر سب کو تہہ و بالا کر گئی ہو یہ حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے، اور کیا خواص کیا عوام سب کے لئے ایک ہی بات اور ایک ہی فکر ہوتی تھی یہ ہوتا تھا اسلامی سوسائٹی پر واقعات ارتداد کا ردِ عمل اور ان کی لازمی خصوصیت! حالانکہ نہ یہ کسی وسیع پیمانے پر پیش آتے تھے، اور نہ زندگی پر ان کے کچھ ایسے اثرات ہی پڑتے۔ لیکن اب کچھ عرصے سے دنیائے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے اس کے اُس سرے سے اُس سرے تک ایک لہر پیدا کر دی ہے یہ اپنی شدت و قوت اور وسعت و عمق میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے کوئی ملک نہیں ہے جو اس کی غارت گری سے بچا ہوا ہو بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہونگے، جو اس کی دست برد سے محفوظ ہوں، یہ وہ ارتداد ہے جو مشرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے یہ سب سے عظیم ارتداد ہے جو عہدِ رسالت سے لیکر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ”ارتداد“ کے کیا معنی ہیں؟ ایک دین کی جگہ پر دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا! رسول ﷺ جو تعلیمات لیکر آئے، جو کچھ ان سے تواتراً منقول ہے اور جو کچھ ان سے اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور

پر ثابت ہے، اس سے انکار کرنا!!! اور ایک مرتد کیا رویہ اختیار کرتا تھا؟ رسالتِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا انکار کرتا تھا اور مسیحیت، یہودیت یا ہندو مذہب کی طرف منتقل ہو جاتا تھا، یا الحاد کی راہ اختیار کرتا اور وحی و رسالت اور آخرت سے منکر ہوتا تھا، یہ ارتداد کے وہ معنی ہیں جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی، ہر وہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا، اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا تو کلیسا میں داخل ہو جاتا یا ہیکل میں جاتا، یا اگر ہندو مذہب اختیار کرتا تو بت خانے کی راہ لیتا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دور سے پہچان لیا جاتا تھا، اس کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کر لیتے تھے، الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ کا لایا ہوا فلسفہ

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے، جنگی بنیاد اس عالم میں کارفرما (متصرف) قوت کے انکار پر تھی، وہ باشعور قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دستِ تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے ”اَلَا تَاۡتُكُلُ الْخَلْقُ وَالْاِنۡسُ“ (خبردار! اسی نے تخلیق کی اور اسی کا حکم چلتا ہے) وہ فلسفے جو عالم غیب، وحی، نبوت، شرائع سماویہ اور روحانی و اخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے۔ یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد، جن میں کوئی علم الحیات

اور ارتقاء کے مسائل سے بحث کرتا تھا، کسی کا تعلق اخلاق سے تھا، کسی کا محور علم النفس تھا اور کسی کا موضوع بحث سیاست اور اقتصادی، یہ فلسفے اپنے موضوعات والوں میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے کہ انسان و کائنات کو محض مادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال و افعال کی مادی توجیہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے باطن تک گھس گئے، یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے، جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوا، سب سے بڑا دین اپنی وسعت اشاعت کے لحاظ سے، سب سے گہرا دین اپنے جڑوں کی لحاظ سے اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مخر کرنے کے لحاظ سے، اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہو گیا، اس نے اسے خوشگواہی کے ساتھ حلق سے اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا، وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیرو بن گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسیحی مسیحیت کا، حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے، اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے، اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے، اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے، اور جو دین، جو نظام اور جو طرزِ فکر اس کے معارض (خلاف) ہوتا ہے، اس کی تحقیر کرتا ہے، اس دین کے ہر پیرو سے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے، اور اس طرح یہ تمام افراد ایک امت، ایک خاندان اور ایک گروہ بن گئے۔

دینِ لادینیت

یہ دین دین..... اگرچہ اس کے پیرو اس کو ”دین“ کا

نام دینے سے انکار کرتے ہوں۔ کیا ہے؟ کائنات کو وجود میں لانے والی اس عظیم و خیر ہستی کا انکار جو مالک تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی ("الَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى") حیات بعد الموت، حشر، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا انکار، شرائع سماویہ اور حدود شرعیہ کا انکار اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے برگزیدہ رسول (خاتم الرسل ﷺ) کی اطاعت فرض کی ہے اور ہدایت و سعادت کو اس کی پیروی میں منحصر کر دیا ہے اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے، اور زندگی کا ایک نظام ہے جو سب سے اعلیٰ و افضل ہے اور وہی وہ دین ہے، جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں، اور جس کے بغیر دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں، اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے، اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر مالک اسلامیہ کی زمام حیات ہے اس کے افراد کی ایک بڑی تعداد اسی دین کی پیروی ہے، اگرچہ یہ سب پختگی ایمان اور سرگرمی عمل میں ایک درجے کے نہ ہوں، بھگت اللہ اس طبقے میں خاصی تعداد میں ایسے افراد بھی ہیں، جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی پیروی کرتے ہیں، مگر اس طبقے کا وہ وصف جو افسوس ہے کہ اس پر غالب ہو گیا ہے، اور اس کے بہت مقتدر افراد کا دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے، جو الحاد پر مبنی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے، جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا

ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان پر اس حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہوگا جس میں اس دین کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو، آپ جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اگلائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہوگا، یا ایمان بالیوم الآخر سے خالی ہوگا، یا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ رکھتا ہوگا،

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے، جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان پر اس حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اداروں سب پر اس کی یورش ہوئی ہے، مشکل ہی سے کوئی ایسا خوش قسمت خاندان ہوگا جس میں اس دین کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار موجود نہ ہو،

یا قرآن کو ایک معجزہ و ابدی کتاب اور دستور حیات نہ مانتا ہوگا، اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہوگا جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

ایک لاوارث مسئلہ

بلاشبہ یہ ارتداد ہے، لیکن وہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکا، کیوں؟ اس لئے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا یہکل میں نہیں جاتا اور نہ اپنے

ارتداد اور تندلی مذہب کا اعلان کرتا ہے، نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے کہ احتساب و عتاب کی صورت پیش آئے، اور فصل و انقطاع کا معاملہ درپیش ہو، پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرے میں رہتا ہے، اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے، بلکہ معاشرے پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے، یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر معاملہ ہے، ارتداد پھیلتا ہے، اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں، علمائے امت

اور رجال دین اس سے کوئی پریشانی اور بے چینی نہیں محسوس کرتے، پہلے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا تو لوگ اس کو حل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو یاد کیا کرتے تھے، ایسے موقع پر ضرب المثل تھی،

”قضیة ولا اباحسن لها“ (ایک پیچیدہ فقہی مسئلہ درپیش ہے لیکن کوئی نہیں جو اس کو حضرت علیؓ کی ذہانت کے ساتھ حل کرے) اس ارتداد کے موقع پر بے ساختہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی شانِ عزیمت یاد آتی ہے، اور کہنا پڑتا ہے.....

”قضیة ولا ابابکر لها“ (ارتداد کی آگ پھیل رہی ہے لیکن کوئی نہیں جو ابو بکر صدیقؓ کی قوت ایمانی اور شانِ عزیمت کے ساتھ اس پر قابو پائے۔)

لیکن یاد رکھئے اس مسئلہ کا علاج جنگ نہیں، اور نہ اس پر رائے عامہ کو بھڑکانا درست ہے، یہ برافروختگی اور سختی سے حل نہیں ہو سکتا، بلکہ سختی الٹا نقصان پہنچائے گی اور فتنے کو اور بھڑکا دے گی، اسلام خفیہ تحقیقاتی عدالتوں INQUISITION سے آشنا نہیں ہے، اور نہ وہ جبر و ظلم کا روادار ہے، یہ معاملہ عزم و حکمت اور صبر و تحمل چاہتا ہے اور اس سے نپٹنے کے لئے غور و فکر اور گہرے

مطالعہ کی ضرورت ہے۔

لادینیت کی عالمگیر اشاعت کا راز

یہ نیا دین اسلامی دنیا میں کیوں کر پھیل سکا؟ کیسے اسے یہ طاقت حاصل ہو سکی کہ مسلمانوں پر عین ان کے گھر کے اندر حملہ آور ہو سکے؟ اور کیوں کر اس کے لئے ممکن ہوا کہ لوگوں کی عقلوں اور طبیعتوں پر اس قدر قوت کے ساتھ مستولی ہو جائے؟ یہ سب سوالات ہیں، جو بڑی گہری اور دقیق فکر اور بڑے وسیع مطالعہ کو چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہوا کہ انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر تھکاوٹ اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے، دعوت و عقیدہ اور علم و عقلیت کے لحاظ سے وہ شدید ضعف و انحطاط کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی.... اسلام تو بیشک بڑھاپے کی منزل سے آشنا نہیں ہے، اس کی مثال سورج کی سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود ہر وقت جدید اور ہر دم جوان، لیکن یہ مسلمان تھے جو ضعف و پیری کا شکار ہو گئے، علم میں وسعت، فکر میں ندرت، عقل میں عبقریت، دعوت کے جوش و ولولہ اور اسلام کی مؤثر طریقے پر پیش کرنے کے سلیقہ میں بڑا خلا محسوس ہوتا تھا۔

مزید برآں یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے ربط نہیں رکھا گیا اور نہ ان کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، حالانکہ آنے والا دور انہی کا تھا، اس نوجوئیں کو اس بات کا قائل کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی کہ اسلام ایک سدا بہار پیغام اور دین انسانیت ہے، قرآن ہی تنہا وہ معجزہ اور ابدی کتاب ہے جس کے عجائبات کی انتہا نہیں، جس کے ذخائرِ فکر یہ کا اختتام نہیں اور جس کی جدت پر کہنگی کا گزر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے ایک

زبردست معجزہ، تمام نسلوں کے رسول اور تمام زمانوں کے امام ہیں۔ اسلامی شریعت، قانون سازی کا ایک معیاری نمونہ ہے، اس میں زندگی کے ساتھ چلنے اور اس کے صحیح مطالبات کا جواب دینے کی پوری صلاحیت ہے، ایمان و عقیدہ اور اخلاق و روحانی اقدار ہی وہ بنیادیں ہیں، جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پاکیزہ تمدن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے، نئی تہذیب کے پاس صرف ذرائع و وسائل ہیں، اخلاق و عقائد اور غایات و مقاصد کا سرچشمہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں، اور ایک متوازن اور صالح تمدن کا قیام صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ مقاصد و وسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوں۔

یہ صورت حال اور یہ وقت تھا جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا، وہ فلسفے جس کی تدوین اور تراش و خراش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانہ روزگار شخصیتوں کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ تھی، جنہوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھایا تھا کہ معلوم ہو یہ فکر انسانی کی معراج ہے، مطالعہ و تحقیق اور عقل انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے اور غور فکر کا یہ وہ نچوڑ ہے، جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جاسکتا، حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات و مشاہدات پر مبنی تھیں اور وہ صحیح تھیں اور بہت سی چیزیں وہ تھیں جو محض ظن و تخمین اور مفروضات و تخیلات پر مبنی تھیں، گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی، علم بھی تھا اور جہل بھی، محکم حقائق بھی تھے اور شاعرانہ تخیلات بھی.... شاعری، یہ نہ سمجھئے کہ نظم و قافیہ بندی ہی میں منحصر ہے، یہ فلسفہ و علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

یہ فلسفے مغربی فاتحین کی جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کر لی، مشرق کے تعلیم یافتہ طبقے نے بڑھ کر ان کو قبول کر لیا، ان لوگوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے سمجھ کر قبول کیا تھا، مگر وہ کم تھے، زیادہ تر وہ تھے، جو ذرا بھی نہیں سمجھتے تھے، لیکن اس پر ایمان بالغیب رکھتے تھے، یہ سب ایک سرے سے منحور تھے، ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا معیار بن گیا اور اس کو روشن خیالوں کا شعار سمجھا جانے لگا۔

اس طرح یہ الحاد و ارتداد اسلامی ماحول اور اسلامی دائروں میں بغیر کسی شورش اور کشمکش کے پھیل گیا، نہ باپ اس انقلاب پر چونکے، نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی، اور نہ غیرتِ ایمانی رکھنے والوں کو کوئی جنبش ہوئی، اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا، اس الحاد و ارتداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیسا میں جا کر کھڑے نہیں ہوئے، نہ کسی معبد میں داخل ہوئے، نہ کسی بت کے آگے انہوں نے ڈنڈوت کی، اور نہ کسی استھان پر جا کر قربانی پیش کی، اگلے دور میں یہی سب علامات تھیں جن سے کفر و ارتداد اور زندہ کا علم ہوتا تھا۔

نفاق والحاد

اگلے مرتدین اسلامی سوسائٹی کو خیر باد کہہ کر اس سوسائٹی سے منسلک ہو جایا کرتے تھے جس کا دین وہ قبول کرتے تھے، اور اپنے عقیدے کی تبدیلی کا صراحت اور جرأت کے ساتھ اعلان کر دیتے تھے، پھر جو کچھ نئے مذہب کی راہ میں انھیں برداشت کرنا پڑتا تھا برداشت کرتے تھے، انھیں اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع انھیں حاصل تھے، ان کو محفوظ رکھنے کے لئے

اس سوسائٹی سے چپکے رہیں، لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنا رشتہ کاٹ لیں، حالانکہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی تنہا وہ معاشرہ ہے جس کی تاسیس و ترتیب عقیدے کی بنیاد پر ہے، اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود میں نہیں آتا، لیکن یہ نئے مرتدین اصرار کرتے ہیں کہ اس معاشرے کے نام پر فوائد حاصل کرتے ہوئے اپنی جگہوں پر جمے رہیں اور اسلام کے بخشے ہوئے تمام حقوق سے متمتع ہوتے رہیں، یہ ایک نرالی صورت حال ہے جس سے اسلام کی تاریخ کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

جاہلی عصبيت اور ”مذہب قوم پرستی“

ان فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو مجروح کیا ہے، وہاں ان جاہلی جذبات و احساسات کی تخم ریزی بھی دنیائے اسلام میں کی ہے، جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جن پر پیغمبر اسلام ﷺ نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی، مثال کے طور پر عصبيتِ جاہلیہ کو لیجئے، جو نسل، وطن یا قومیت کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے، پھر اس کی اس قدر تقدیس کی جاتی ہے، اس طرح اس پر جان دی جاتی ہے، اور انسانی برادری کو اس کی بنیادوں پر تقسیم کرنے میں اتنا غلو پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ (عصبيت) ایک مستقل عقیدہ اور ایک مستقل دین بن جاتی ہے، دل و دماغ پر اس طرح اس کا قبضہ ہو جاتا ہے کہ ساری زندگی کی باگ ڈور اسی کی ہاتھ میں آ جاتی ہے، یہ اپنی ہمہ گیری اپنی طاقت اور اپنے اثرات کی گہرائی اور مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین و مذہب کی حریف ہے، اور اس کی گرفت

انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے، یہ جب کسی معاشرے پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوششوں اور کارناموں پر پانی پھر جاتا ہے، اور دین عبادات اور چند رسوم و رواج کے دائرے میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے، جو پوری زندگی پر فرماں روائی کے لئے آیا تھا، پھر اس کے نتیجے میں عالم انسانیت چند متحارب کیمپوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، اور وہ ”امت واحدہ“ جس کے متعلق پروردگارِ عالم کا ارشاد ہوا تھا ”وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُون“.... پارہ پارہ ہو کر بے شمار امتوں میں بٹ جاتی ہے۔

اسلام اس ”عصبيت“ سے کیوں برسرِ جنگ ہے؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عصبيتِ جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ کی تھی، اس کے بارے میں اپنی امت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی اور ہر اس بنیاد پر تیشہ چلایا تھا جس سے یہ ابھر سکتی ہے، اور اس باب میں یہ رویہ ضروری بھی تھا، اس لئے کہ ان عصبيتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان اور امت واحدہ کی وحدت چار دن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی، اس عصبيت کی مذمت اور اس کی تردید شریعتِ اسلامیہ میں ایک مسلم حقیقت ہے، بے شمار نصوص ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں، بلکہ اسلام کا اس عصبيت سے بُعد (دوری) ایک بدیہی چیز ہے، جو شخص اسلام کے مزاج سے بلکہ مطلق دینی مزاج ہی سے واقف ہوگا اس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہ مزاج ان عصبيتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا، سیاسی رجحانات و خیالات سے خالی الذہن ہو کر تاریخ کا

مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ بین الانسانی تفریق اور عالم انسانیت کی تباہی و تخریب میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں ان میں جاہلی عصبيتوں کا درجہ بہت اونچا ہے، پس قدرتی بات ہے جو انسان اس لئے آیا ہو کہ پوری دنیا کو ایک اکائی بنائے، جو اس لئے آیا ہو کہ تمام نوع انسانی کو ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک عقیدے پر جمع کرے، جو اس لئے آیا ہو کہ ایک نیا معاشرہ وجود میں لائے، جو دین ایمان رب العالمین کی بنیادوں پر استوار ہو، جو اس لئے آیا ہو کہ خازنِ عالم میں امن و سلام کے پھولوں کی بیج بچھائے، جو اس لئے آیا ہو کہ انسانیت کے پورے خاندان کو محبت و الفت کی ایک لڑی میں پروئے، جو اس لئے آیا ہو کہ انھیں باہم شیر و شکر کر کے اس طرح یک جان بنادے کہ ایک کو دکھ ہو تو دوسرا بھی تڑپے... اس مشن کے حامل انسان کے لئے تو بالکل قدرتی اور بالکل عقلی بات ہے کہ وہ ان نسلی، قومی اور عصبيتوں کے خلاف کھلا اعلانِ جنگ کرے اور اس انتہائی حد تک ان کے خلاف لڑے کہ یہ قصہ ماضی بن کر رہ جائے۔

ممالک اسلامیہ میں ”قوم پرستی“ کی مقبولیت

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبہ کے بعد سے دنیائے اسلام کا، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے وجود میں آئی، حال یہ ہے کہ وہ انھیں عصبيتوں کو اپنے دل و دماغ میں جگہ دے رہی ہے اور اس طرح انھیں مانے لے رہی ہے جیسے کوئی علمی نظریہ اور کوئی حقیقت ثابتہ ہو جس سے مفر نہ ہو، آج اس دنیائے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بسنے والی تمام

اللہ تم پر نری کرنے والا مہربان ہے۔

دور ”جاہلیت“ کے بارے میں ایک مسلمان کا موقف

اس کے بعد تو ایک مومن کا حال یہ ہونا چاہئے کہ ”جاہلیت“ کا چاہے وہ قریب العهد ہو یا بعید العهد ہو جب بھی ذکر زبان پر آئے حقارت و نفرت کے ساتھ آئے اور ہر بن موم سے ناگواری کے جذبات ٹپکنے لگیں، آپ نے کسی قیدی کو دیکھا ہے کہ رہائی پانے کے بعد وہ اپنے دور قید و محن کو یاد کرے اور اس کا رواں رواں ناگواری سے پھکنے نہ لگے؟ کیا کسی مہلک اور موزی مرض سے صحت پانے والے کو آپ نے دیکھا ہے کہ اسے اپنی بیماری کے ایام و احوال یاد آئیں اور اس کا دل افسردہ اور رنگ متغیر نہ ہو؟ اور کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ رات کو ڈراؤنے اور پریشان کن خواب دیکھنے والا صبح کو ان خوابوں کو یاد کرے اور خدا کا شکر ادا نہ کرے کہ یہ محض اوہام و خیالات نکلے؟ پھر جب قیدی اپنے دور قید و محن کو خوشی سے یاد نہیں کرتا، جب صحت یافتہ مریض کے لئے اپنے ایام کرب کی یاد خوشگوار نہیں ہوتی اور جب برے خوابوں کو یاد کر کے شکر ہی ادا کرنے کو جی چاہتا ہے کہ یہ خواب بس خواب ہی رہے تو جاہلیت تو ان سب سے بدتر شے ہے، جو جہل و ضلالت کے بدترین اقدام پر مشتمل ہے اور دنیا و آخرت کے کتنے ہی نقصانات اور خطرات اس میں پنہاں ہیں، اس کی یاد پر سزاوار ہے کہ آدمی کو شدید سے شدید تر ناگواری ہو اور بے اختیار شکر ادا کرنے کو جی چاہے کہ اس کے دن بیت گئے، اور خدا نے اس تاریکی سے نجات دی اسی لئے تو حدیث صحیح میں آتا ہے:-

تو میں حیرت انگیز حد تک ان عصیتوں کو زندہ کرنے اور ان کے گن گانے کی طرف راغب ہیں جن کو اسلام ہی نے موت کی آغوش میں سلایا تھا حتی کہ ان قومی و جاہلی شعائر کے احیاء کا جذبہ بھی آج موجزن ہے، جو کھلی ہوئی بت پرستی کا مظہر ہیں ... ان ملکوں میں اس عہد قبل اسلام کو سرمایہ افتخار گردانا جا رہا ہے، جسے اسلام ”جاہلیت“ اور صرف جاہلیت کا نام دیتا ہے اور یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت اور تنفر انگیز کوئی دوسرا لفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں جس سے نجات پانے کو، قرآن مسلمانوں پر احسان ٹھہراتا ہے اور تلقین کرتا ہے کہ مسلمان اس نعمت کا شکر یہ ادا کریں - ”وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا، وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا“ (ال عمران ۱۰۳)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، جب کہ تم تھے آپس میں دشمن، پس الفت ڈالی اس نے تمہارے دلوں میں، سواب ہو گئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے، تو اس سے تم کو نجات دی۔

”بَلِ اللَّهُ يَمَنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ بَدَّلَكُمْ لِإِيمَانِ أَنْ كُنْتُمْ صَافِقِينَ“ (الحجرات ۱۷)

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے راہ دی تم کو ایمان کی، اگر سچ کہو۔

”هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَيَّ عَبْدِي آيَاتٍ يَبَيِّنُ لِي أَخْرَجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ، وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ“ (الحديد ۹)

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر صاف آیتیں تاکہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور

”ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حُلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ يَكْرَهُ أَنْ يَعُودَ إِلَى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يَقْذِفَ فِي النَّارِ“ - (رواہ البخاری)

تین باتیں ہیں، یہ جس میں پائی جائیں گی اسے ایمان کا ذائقہ نصیب ہوگا، ایک یہ کہ اللہ و رسول ﷺ ہر شے سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ آدمی اگر کسی سے محبت کرتا ہو تو صرف اللہ کے لئے کرتا ہو تیسرا یہ کہ کفر کی طرف لوٹنا اتنا شاق ہو جیسے کہ آگ میں ڈال دیا جانا۔

اور خداوند قدوس جاہلیت کے شعائر اور جاہلی رجال و اکابر کی مذمت کرتے ہوئے، بے لاگ اور بے رو رعایت انداز میں فرماتا ہے:- ”وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ، وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ، وَأَتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ“ (قصص: ۲۲، ۲۱)

اور کیا ہم نے ان کو (اہل دوزخ کا) پیشوا بنایا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف، نہیں ملے گی کوئی مدد ان کو قیامت کے دن اور پیچھے رکھ دی ہے ان کے ہم نے اس دنیا میں لعنت، اور قیامت کے دن ہوگی ان پر برائی۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:- ”وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ، يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبُنِيَ لَهُمُ الْقَوْمُ الْمَوْزُودُ، وَأَتَّبَعُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُنْسَى الرَّفْدُ الْمَرْفُودُ“ (ہود: ۹۹، ۹۷)

اور نہیں تھی بات فرعون کی کچھ نیک ڈھنگ کی، آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر پہنچا دے گا ان کو آگ پر، برا گھاٹ ہے، جس پر پہنچے، پیچھے سے ملتی رہی اس دنیا میں لعنت اور دن قیامت کے بھی برا انعام ہے جو ملا۔

اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کیجیے!

اللہ کے ہاں تو سب ہی بے بس ولاچار ہیں، مجبور و مقہور ہیں، فقیر و محتاج ہیں۔

حلیب اللہ

توکل بطور مثال قرآن میں وارد ہوا ہے۔ جن میں نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، ہود علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور جناب محمد ﷺ کا خصوصی تذکرہ ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے یہ فرمایا: ”اور ہم اللہ پر توکل کیوں نہ کریں حالانکہ اسی نے ہمیں سیدھا راستہ دکھلایا ہے۔“ (سورہ ابراہیم: 12) اسی طرح وہ مومن شخص جس نے بانگ دہل وقت کے فرعون کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کے دور میں دعوت توحید بیان کی۔ اس فرعون کے سامنے جو بذات خود خدائی کا دعوے دار تھا۔ اس مومن نے بھی اسی جرات مند اقدام کے بعد یہ کہا: ”اے لوگو! میں اپنے معاملے میں اللہ پر ہی توکل کرتا ہوں۔“ (غافر: 44) پھر اسی توکل کے نتیجے میں اللہ نے اسے فرعون کے شر سے محفوظ رکھا۔ افسوس کہ آج پرندوں میں توکل جیسی عظیم صفت تو کما حقہ موجود ہے مگر انسانوں کی اکثریت اس سے محروم ہو چکی ہے۔ حالانکہ اللہ نے انسانوں کو جس عقل و شعور سے نوازا ہے اس سے باقی تمام مخلوقات کو محروم رکھا ہے۔ اسی عقل کی وجہ سے اللہ نے اسے تمام مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے۔

ہے۔ آج تک کسی نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ فلاں جنگل کے درندوں نے آج گوشت نہ ملنے پر بھوک ہڑتال کر دی ہے۔ نہ ہی یہ سنا ہوگا کہ فلاں باغ میں پرندے آج دانہ پھل نہ ملنے پر احتجاج کریں گے۔ وہ نہ تو بھوک ہڑتال کرتے ہیں اور نہ ہی روٹی، کپڑا اور مکان کے حصول کے لیے نعرے بازی کرتے ہیں۔ انہیں صرف اللہ پر ہی یقین کامل اور مکمل بھروسہ ہوتا ہے۔ اسی توکل پر وہ صبح خالی پیٹ اپنے آشیانوں اور کچھاروں سے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس پلٹ آتے ہیں۔ یہی تو کمال توکل ہے، توکل اس بات کا نام نہیں کہ اللہ کی مخلوق ہونے کے باوجود غیر اللہ پر بھروسہ کیا جائے۔ غیر اللہ کو رزق روٹی کے حصول کا سبب بنایا جائے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے: ”اگر تم اللہ پر اسی طرح توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کا حق ہے، تو وہ تم پر اسی طرح رزق کے خزانے کھول دے گا جیسا کہ اس نے پرندوں پر کھول دیئے ہیں وہ صبح سویرے خالی پیٹ گھروں سے نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس آتے ہیں۔“ توکل وہ عظیم راستہ ہے جن پر انبیاء کرام علیہم السلام چلے۔ قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے چند انبیاء کا

صبح کی دھیمی دھیمی باد صباء ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔ کھلکھلاتے پھولوں نے اپنی خوشبو سے ماحول کو معطر کر دیا تھا۔ ہوا کے جھونکوں کی سرسراہٹ، درختوں پر پرندوں کی چچہاہٹ، کوئل کی گنگناہٹ اور بلبل کی نغمہ آرائی نے صبح کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا تھا۔ رنگارنگ پھول اپنے اطراف میں رنگ بکھیر رہے تھے۔ پتوں پر شبنم کے باریک قطرے تھے اور ان قطروں پر جیسے ہی سورج کی باریک کرنے لگرائیں چمک اٹھے۔ یہ تمام منظر دل کو لبھا رہا تھا۔ تمام پرندے جاگ چکے تھے اور اپنے آشیانوں سے نکل کر اپنے اور اپنے بچوں کے رزق کے حصول کے لیے اڑنے کی تیاری میں مگن نظر آرہے تھے۔ اور کچھ تو حصول رزق کے لیے اڑ کر شرق و غرب میں پھیل چکے تھے۔ انہیں اس بات کا غم تھا اور نہ ہی خوف کہ ہم کہاں سے دانہ چگیں گے یا کہاں سے رزق حاصل کریں گے۔ چرند و پرند کا ازل سے یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ پرندے صبح سویرے اپنے گھونسلوں اور جانور اپنے ٹھکانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام کو سب سیر ہو کر واپس آ کر اپنے مسکنوں میں سو جاتے ہیں۔ انہیں نہ تو بھوک کا خوف ہوتا ہے اور نہ ہی قحط کا ڈر ہوتا

چاہے جتنا مرضی نام کمالیں پھر بھی وہ مخلوق ہی رہیں گے کبھی خالق نہیں بن سکتے۔ وہ محتاج ہی رہیں گے۔ اللہ رب العالمین چاہے تو انہیں پل بھر میں مٹا دے۔ اللہ کے ہاں تو سب ہی بے بس ولاچار ہیں، مجبور و مقہور ہیں، فقیر و محتاج ہیں۔ اللہ پر نہ کسی کا زور چلتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کا ڈر اس پر کا رگر ہے۔ نہ ہی وہ کسی کا محتاج ہے اور نہ ہی اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔

قدر و منزلت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ قرآن میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں آیا ہے کہ: ”یہ جانوروں کی مانند ہیں یا ان سے بھی بدتر ہیں۔“ تو یہ اللہ کے تمام انعام و کرام اس وقت تک انسان کے لیے کارآمد و سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ جب تک انسان ان کو صراطِ مستقیم کی تلاش میں لگا تا رہتا ہے اور صرف اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہے۔ تو کل بھی اسی چیز کا نام ہے کہ صرف اللہ پر ہی بھروسہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں، انسان ہیں وہ اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں۔ وہ

مگر یہ فضیلت اسے اسی وقت تک حاصل رہتی ہے جب تک وہ اس عقل کو درست استعمال کرتا رہتا ہے۔ اللہ نے جس مقصد کے لیے اسے عقل سے نوازا ہے وہ اسی مقصد کے حصول میں مگن رہتا ہے۔ تو وہ کمال بلندی کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس عقل کو اللہ بتائے ہوئے طریق سے ہٹ کر کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ پھر اگرچہ وہ دنیا میں بڑا نام بھی کمالے اور لوگوں زبان پر اسی کا تذکرہ ہوتا رہتا ہو۔ مگر یہ چرچا اور شہرت صرف دنیا تک ہی محدود رہتی ہے، اللہ کے ہاں تو اس کی

راہِ امتثال

وطن تو آزاد ہو چکا دماغ و دل ہیں غلام اب بھی
پیسے ہوئے ہیں شرابِ غفلت یہاں کے خواہش و غوام اب بھی
میرے مہمانِ وطن کا وہی ہے کہ نہ نشام اب بھی
کسی پہ جامِ شرابِ حیا کسی پہ پانیِ حرام اب بھی
غلط ہے تیسرا یہ نعرہ ساقی بدل دیا ہے نشامِ محفل
وہی شکستہ سی بوتلیں ہیں وہی شکستہ سے جام اب بھی

معاشرے کی اصلاح کا آئنا دکھائیں

از: محمد عظیم قاسمی

ہر وقت ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ معاشرے سے تمام برائیوں کا خاتمہ دوسرے کی ذات اور دوسروں کے گھر سے شروع ہو۔

وگروہوں کی ہمہ جہت کوششوں کے باوجود نتیجہ اس کہاوت سے زیادہ نہیں ہے ”یہ تیلی کے بیلوں سے کچھ کم نہیں ہیں، جہاں سے چلے تھے وہیں کے وہیں ہیں“ معاشرہ آج بھی انھیں بگاڑ و فساد کے ساتھ سانس لے رہا ہے۔

چل چل کے پھٹ چکے ہیں قدم اس کے باوجود اب تک وہیں کھڑا ہوں جہاں سے چلا تھا میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر یہ ساری محنتیں بے کار کیوں ہیں، ساری کوششیں اکارت کیوں ہوتی ہیں، اصلاح معاشرہ کی کوئی تدبیر کامیاب کیوں نہیں ہو رہی ہے، معاشرہ بجائے اصلاح کے بگاڑ و فساد کی طرف مزید کیوں بڑھ رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر اس وعدہ کا اعلان نہیں فرمایا: ”وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“ کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے۔

”اصلاح معاشرہ“ یہ خوبصورت عنوان دو لفظوں کی حسین و دلکش تعبیر ہے، اس لفظ کے سننے، بولنے اور پڑھنے والے کے ذہن و دماغ کے دریچوں میں معاشرے کی وہ تمام برائیاں گردش کرنے لگتی ہیں، جنہوں نے مسلم معاشرے کو گندہ اور زہر آلود کر دیا ہے، آج یہ لفظ نہ جانے کتنے حلقوں میں بار بار پڑھا، لکھا، بولا اور سنا جاتا ہے اور بار بار اس کا استعمال ہوتا ہے، بے شمار جماعتیں اصلاح معاشرہ کے مقصد سے قائم ہیں، ان گنت ادارے و انجمن موجود ہیں، نہ جانے کتنی کانفرنس اور اجلاس کا انعقاد اسی مقصد سے ہوتا ہے، تقریباً ہر بڑی تنظیم کے اندر ”اصلاح معاشرہ“ کا مستقل شعبہ قائم ہے، غیر مسلموں نے بھی اس مقصد کے لیے اپنی علیحدہ کمیٹی تشکیل دی، اخبارات و میڈیا بھی اس مقصد کی تکمیل میں کسی سے پیچھے نہیں، حکومتی سطح پر بھی کوششیں ہوتی رہتی ہیں؛ لیکن اتنے حلقوں

دوسری جگہ یہ وعدہ مذکور ہے ”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَتُؤَيِّتْ أَقْدَامَكُمْ“ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور تمہارے قدموں کو استقامت بخش دیں گے“ ظاہر ہے کہ نہ تو خدا کا فرمان غلط ہو سکتا ہے نہ ہی خدا کا کلام جھوٹ ہو سکتا ہے، نہ رب ذوالجلال سے وعدہ خلافی کا صدور ممکن ہے، لیل و نہار میں تبدیلی ہو سکتی ہے، سورج کا بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہونا ممکن ہو سکتا ہے، زمین و آسمان کا اپنی جگہ سے ٹلنے کا یقین کیا جاسکتا ہے، مگر رب کریم سے وعدہ خلافی کا صدور ناممکن ہے، خدائے بزرگ و برتر کے کلام میں شک و شبہ نہیں پایا جاسکتا؛ چنانچہ ان ساری کوششوں سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ”اصلاح معاشرہ“ کے نام پر کی جانے والی ساری تدبیروں اور کوششوں کا رخ صحیح نہیں، دراصل یہ کوششیں ان صفات و خوبیوں سے آراستہ نہیں، جو دوسرے کو اپنی طرف متوجہ کر سکیں، جو نصرتِ خداوندی کو دعوت دے سکیں۔ اگر ”اصلاح معاشرہ“ کے سلسلے میں کی جانے والی ہماری کوششیں اور تمام تدبیریں اخلاص و للہیت سے بھرپور ہوں اور صحیح ڈگر پر چلیں تو ضرور اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور نصرتِ خداوندی متوجہ ہوگی، پھر عوام اس سے متاثر ہوں گے اور اس کے صحیح، بہتر اور خوش کن نتائج ضرور برآمد ہوں گے۔ اگر سینے میں دل ہے اور تڑپ اسلام کی دل میں اتر سکتا ہے ابر رحمت پروردگار اب بھی اور۔۔۔ فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی اگر ہم غور و فکر کے درپے کو کھولیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور تحقیق کے دائرے کو ذرا

وسیع کریں تو ہمیں اتنا تو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ”اصلاح معاشرہ“ کے خوب صورت عنوان پر کی جانے والی ساری کوششوں کے درپردہ اتنے اغراض پوشیدہ ہیں اور یہ جدوجہد اتنے عیوب و نقائص سے بھری اور اصلاح کے حقیقی اصول و ضوابط اور اصلاح کے لوازمات سے اتنی خالی ہیں کہ صحیح معنی میں اس کو ”اصلاح معاشرہ“ کا نام دینا یا ”اصلاح کی کوشش“، کہنا ہی درست نہیں ہے، مثال کے طور پر اس کی سب سے بڑی خامی اور خرابی یہ ہے کہ ہر جگہ دوسروں کی اصلاح کی فکر ہوتی ہے اور دوسروں سے اصلاح کا آغاز کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اصلاح کے لیے ہماری ہر تقریر و تحریر، ہماری ہر نصیحت اور ہمارا ہر اجلاس دوسروں کے لیے ہوتا ہے، ہر وقت ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ معاشرے سے تمام برائیوں کا خاتمہ دوسرے کی ذات اور دوسروں کے گھر سے شروع ہو، معاشرے کے تمام رسوم و بدعات کے خاتمہ کا آغاز دوسرا کرے اور ہر طرح کی تبدیلی کی ابتداء دوسرا کرے یہ خیال و گمان شاید ہی کسی شخص کو آتا ہو کہ رسومات کے خاتمہ کا مطالبہ خود ہماری ذات سے بھی ہے، برائیوں کے خاتمے میں ہماری بھی کوئی ذمہ داری ہے، زندگی میں تبدیلی لانے کا فریضہ ہمارے اوپر بھی عائد ہوتا ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی شخص یہ سوچتا ہو کہ ہمیں خود بھی اپنے اخلاق و کردار بے داغ بنانا چاہیے، جب تک ہم کو یہ فکر دامن گیر نہیں ہوتی اور ہماری سوچ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی ہے اور خود ہمارے اندر اخلاق و کردار کے بنانے اور سنوارنے کے حوالے سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا نہیں ہوتا، اس وقت تک ہمارے

معاشرے میں اصلاحِ معاشرہ کا کام آسان نہیں ہو سکتا اور نہ ہمارا معاشرہ اصلاح کی طرف گامزن ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہماری زبان و قلم اور وعظ و تقریر کے اندر تاثیر پیدا ہوگی؛ کیونکہ

آدمی صاحبِ کردار اگر ہوتا ہے

اس کی آواز میں، باتوں میں اثر ہوتا ہے

اصل وجہ یہی ہے کہ ہماری اصلاح کی ساری کوششیں ناکام ہیں، اصلاح کی تمام محنتوں کا نتیجہ صفر ہے اور ہمہ جہت کوششوں کے باوجود بجائے اصلاح کے ہمارا یہ پاکیزہ معاشرہ فساد کی طرف رواں دواں ہے اور اس کا انجام جو کچھ ہے ہم اور آپ روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مغربی معاشرے کا پورا عکس ہمارے میں نظر آنے لگا، خدا حفاظت فرمائے۔ انبیاء کرام (علیہم السلام)، صحابہؓ و تابعینؓ اور اولیاء عظامؒ کا اصلاح کے سلسلے کا طرزِ عمل ہمارے طریقہ کار سے بالکل علیحدہ تھا، ان کی ہر اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے ہوتا تھا، اپنے اہل و عیال سے ہوتا تھا، اپنے گھر خاندان کی فکر ان کو دامن گیر ہوتی تھی، وہاں اعمال و کردار کے ذریعہ دعوت کا کام ہوتا تھا، زبانی وعظ و نصیحت کا دوسرا درجہ تھا۔ قرآن کریم نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خصوصی اوصاف میں سے یہ بھی بیان کیا ہے۔

وَكَانَ يَأْتِرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَهُوَ بِأَهْلِ عِيَالٍ
 كُونُ مَازٍ اُور زكوة كا حكم ديتے تھے۔ اور حضرت
 ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام کے سلسلے میں
 ارشاد ہے وَوَضَىٰ بِنَا إِِبْرَاهِيمَ بَيْنِيهِ وَيَعْقُوبَ. يَا بَنِيَّ إِنَّ
 اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ
 (کہ وصیت کی اس کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے
 بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے بھی) (اپنے بیٹوں

ان کی اصلاح و فلاح کی فکر کی جائے ان کے بعد دوسروں کی توجہ کی جائے جس کے اندر دو حکمتیں ہیں: اول یہ کہ طبعی اور جسمانی تعلقات کی بناء پر وہ نصیحت کا اثر زیادہ جلد اور آسانی سے قبول کر سکیں اور پھر وہ ان کی تحریک اور اصلاحی کوششوں میں ان کے دست باز و بن کر اشاعت حق میں ان کے معین ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ اشاعت حق کا اس سے زیادہ سہل اور مفید راستہ کوئی نہیں کہ ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے اہل و عیال کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی سعی میں دل و جان سے لگ جائے کہ اس طرح تبلیغ و تعلیم اور اصلاح و تربیت کا دائرہ عمل سمٹ کر صرف گھروں کے ذمہ داروں تک آجاتا ہے اور ان کو سکھانا پوری قوم کو سکھانے کے ہم معنی ہو جاتا ہے، قرآن کریم نے اسی تنظیمی اصول کے پیش نظر یہ اعلان فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا** (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور ارشاد فرمایا **وَأَمَّا أَهْلُكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا**) (کہ اپنے اہل و عیال کو نماز احکم دیجیے اور خود بھی اس کے پابند رہیے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو ساری دنیا کے رسول ہیں اور جن کی ہدایت قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے عام ہے، آپ ﷺ کو بھی سب سے پہلے اس کا حکم دیا گیا کہ **وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ** (کہ اپنے رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے) حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے ”کہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں تبلیغ و دعوت کو آسان اور مؤثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا ہے، جس کے آثار دور رس ہیں قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی

تحریک کے حامی بن جائیں تو ان کی اخوت و امداد پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور خاندانی جمعیت کے اعتبار سے بھی ان کی تائید پر مجبور ہوتے ہیں اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک ماحول حق و صداقت کی بنیادوں پر تیار ہو گیا تو روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک کو دین کے احکام پر عمل کرنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے اور پھر ایک مختصر سی طاقت تیار ہو کر دوسروں کو دعوت و تبلیغ کرنے میں مدد دیتی ہے“ اس لیے قرآن کریم نے **قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا** کہہ کر اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچانے کی ذمہ داری خاندان کے ہر فرد پر ڈالی جو اصلاح اعمال و اخلاق کا آسان اور سیدھا راستہ ہے اور غور کیا جائے تو کسی انسان کا خود اعمال و اخلاق صالحہ کا پابند ہونا اور پھر اس پر قائم رہنا اس وقت تک عادیہ ممکن نہیں ہوتا جب تک معاشرہ و ماحول اس کے لیے سازگار نہ ہو سارے گھر میں ایک آدمی نماز کی پوری پابندی کرنا چاہے تو اس کے لیے نماز کی کو بھی اپنے حق کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہوں گی، آج کل جو حرام چیزوں سے بچنا دشوار ہو گیا ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حقیقتاً اس کا چھوڑنا کوئی بڑا مشکل اور دشوار کام ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ سارا ماحول ساری برادری اور خاندان جب ایک گناہ میں مبتلا ہے تو اکیلے ایک آدمی کو بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کر کے دعوت حق سنائی، اس وقت اگرچہ لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا، مگر رفتہ رفتہ خاندان کے لوگوں میں اسلام داخل ہونا شروع ہو گیا۔ خاندان و اہل و عیال کی تخصیص کی اصل وجہ یہ ہے

کہ جب تک کسی شخص کے اہل و عیال اور قریبی رشتہ دار و خاندان کے افراد اس کے نظریات اور عملی پروگرام میں اس کے ساتھی اور ہم رنگ نہیں ہوتے، تو اس کی تعلیم و تبلیغ دوسروں پر اتنی مؤثر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے جواب میں ابتداء اسلام میں عام لوگوں کا یہ جواب ہوتا تھا کہ پہلے اپنے خاندان قریش کو تو آپ درست کر لیں، پھر ہماری خبر لیں اور جب خاندان میں اسلام پھیل گیا اور فتح مکہ کے وقت اس کی تکمیل ہوئی تو اس کا نتیجہ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ظاہر ہوا کہ **يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا** اگر ہمارے معاشرے میں اصلاح کا یہی طرز اپنایا جائے، ہمارے واعظین و مقررین مصلحین و قائدین (چاہے وہ حکومتی سطح کے ہوں یا عوامی سطح کے) جو ہمارے معاشرے اور معاشرے کے افراد کے لیے نمونہ ہیں وہ اس ڈگر کو اپنائیں اور ہمارا نو جوان طبقہ جو معاشرے کا اہم عنصر اور معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، وہ اس میدان میں آگے آئے اور اصلاح کے ہر کام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہمہ تن متوجہ ہو جائے اور اپنی ذات سے اصلاح کا آغاز کرنے لگے اور ہر اصلاح کو قبول کرنے لگے، تو جلد ہی ان شاء اللہ ہمارے معاشرے کی کاپیلاٹ جائے گی، ہمارا معاشرہ واقعی چین و سکون کا گہوارہ بن جائے گا اور حقیقی اسلامی معاشرہ کہلانے کا مصداق ہو جائے گا اور معاشرے میں صالح انقلاب آئے گا جو قرن اول کی یاد تازہ کر دے گا۔

یہ حوصلہ بھی عطا کر مجھے خدائے کریم

کہ اپنے آپ کو خود آئینہ دکھاؤں میں

ایم اے تبسم

حجاب

عورت کا حسوس!

ان چھلانگوں کی آڑ میں ہر وہ چیز خود سے الگ کرتے چلے گئے جس کو اس دوڑ میں ہم نے رکاوٹ محسوس کیا

ہوتے ہیں یعنی مرد کے جنسی جذبات عورت کو دیکھ کر مشتعل ہوتے ہیں جبکہ عورتیں عموماً بذریعہ بصارت مشتعل نہیں ہوتیں۔ اسی لئے اسلام میں عورتوں کو پردہ کا حکم ملا ہے نہ کہ مردوں کو، ویسے مردوں کو نظریں جھکانے کا حکم ہے۔ کوئی مانے نہ مانے اسلام میں پردہ فرض ہے۔ دراصل بے پردگی کی وجہ سے مرد و خواتین کے ملنے کے مواقع بڑھ جاتے ہیں اور پردہ دار خاتون سے کوئی زیادہ ملنے اور بات کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ معاشرہ میں موجود کو ایجوکیشن سسٹم بھی اس گناہ کا بہت بڑا سبب ثابت ہوا ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں عشق و محبت کے جذبات میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ یہ لڑکیاں کب عصمت باختم ہو جاتی ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ دنیا کے وہ علاقے جہاں مرد و خواتین کے ملنے کے مواقع زیادہ ہیں ان علاقوں میں جنسی بے راہ روی کی شرح

آج کے جدید دور میں پردہ کی بہت سی اقسام مثلاً برقع، اسکارف، موزے، دستانے اور دیگر لباس پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ان تمام صورتوں میں عورت کی سہولت مقصود ہے۔ شرم آتی ہے کہ زمانہ جاہلیت کی عورتیں بھی بے پردہ رہتی تھیں لیکن وہ ایسا لباس پہنتی تھیں کہ ان کی پشت ڈھکی اور سینہ کھلا رہتا تھا اور آج جدت پسندی کی لعنت نے خواتین کو پشت چھپانے سے بھی قاصر کر دیا ہے اور وہ نیم برہنہ حالت میں بازاروں میں ایسے پھرتی ہیں کہ جیسے پردہ ان کی ضرورت نہیں اور پھر عصمت زنی کا ذمہ دار مردوں کو قرار دیتی ہیں۔ جبکہ معاشرہ میں عام ہونے والا گناہ کبیرہ (زنا) ایک عام سی بات بن چکا ہے اور اسکی وجہ بے پردگی ہے ماہرین نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ مرد کے شہوانی جذبات عورت کی عریانیّت کو دیکھنے سے مشتعل

لفظ حجاب (عربی) اور لفظ پردہ (فارسی) زبان سے تعلق رکھتے ہیں اور تقریباً ہم معنی ہیں ان جیسے کئی اور الفاظ بھی مثلاً برقع، گھونگٹ، پردہ، آڑ، حیا، شرم، نقاب اور حجاب لغت میں ملتے ہیں۔ خواتین کے لئے لفظ پردہ غیر محرم مردوں سے اپنے جسم کو چھپانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ وہ مرد شیطانی اوہام سے محفوظ رہیں اور ان عورتوں کی عزت و عصمت محفوظ رہے۔ حجاب ایک وسیع المعنی لفظ ہے اور اس کی ضد کشف ہے۔ لفظ حجاب قرآن کریم میں سات بار استعمال ہوا اور (سورۃ احزاب، 59) کا مفہوم ہے کہ اے نبی ﷺ! اپنی بیویوں، صاحبزادی اور مسلمان عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادر کا ایک حصہ اپنے چہروں پر ڈالے رہیں۔ یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ عورت کے لئے اپنے سر اور چہرہ کو چادر میں چھپانا لازم ہے۔

بہت زیادہ ہے جیسے امریکہ کے علاقے کیلیفورنیا کی مثال لے لی جائے وہاں زنا اور طلاق کی شرح باقی ملک کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ اور پھر آج کے اس جدت پسند دور میں بے پردگی کو بہت سی حمایتیں حاصل ہیں ایک میل کزن اپنی فی میل کزن سے گھنٹوں بیٹھ کر گپ شپ کرتا ہے اور اُسے کوئی نہیں پوچھتا کہ کزن بیٹھے ہیں جبکہ اسلام تو جوان بہن کو جوان بھائی کے پاس بھی تنہائی میں بیٹھنے سے منع کرتا ہے نہ جانے کیوں ہم ایڈوانس سوچ اور ترقی کی آڑ میں اپنے بچوں کو نشاط و سرور کی انجمنوں سے نکال نہیں پاتے اور فریٹکنس کی آڑ میں جب بچیاں اپنی قیمتی متاع گنوا بیٹھتی ہیں تو غیرت کے نام پر انہیں قتل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کبھی میری ان ماؤں بہنوں نے سوچا کہ زمانہ قدیم کی عورت کے ساتھ کیا کیا سلوک کئے جاتے رہے ہیں۔ کیا اُن کو زندہ درگور نہیں کیا جاتا رہا۔ اُنکی عصمت کو بازاروں میں نیلام نہیں کیا جاتا رہا یہ اسلام ہی ہے جس نے عورت کو اس کے مقام سے روشناس کروایا اور معاشرہ میں عزت دی اب یہ اس کی اپنی مرضی ہے کہ گھر کی ملکہ بن کر زندگی بسر کرے یا پھر رونق بازار بن کر۔ اس حقیقت سے بھی منہ نہیں پھیرا جاسکتا کہ معاشرہ کا حسن بھی عورت سے ہی قائم ہے اور تمام کی تمام رعنائیاں عورت کی پُر خلوص قربانیوں اور لازوال جدوجہد میں پوشیدہ ہے۔ وہ عورت ہی تو تھی جس نے ہمیں جابر بن حیان، محمد بن قاسم، بوعلی سینا جیسی ہستیاں پرورش کر کے دیں۔ اس حقیقت کو اسلام سے بڑھ کر کون جان سکتا ہے اور اسلام نے ہی تو علم کے ساتھ عمل کرنے کا حکم دے کر تکمیل معاشرہ کی

ہے۔ اب جب فرنگی نسل کو پتہ چلا کہ مسلمان قوم میں موجود جذبہ کو ہم شکست نہیں دے سکتے تو انہوں نے اور محاذ کھولا اور ہمارے ایمانوں کو کمزور کرنے کا پلان مکمل کر لیا کیونکہ انکو پتہ چل چکا تھا کہ یہ قوم اس عقیدہ پر قائم ہے کہ میدان جنگ میں مارے گئے تو شہید اور بچ گئے تو غازی کا مقام حاصل ہوگا

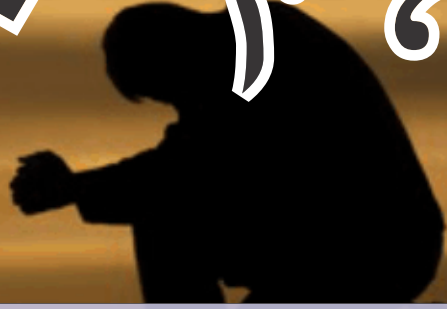
نہ جانے کیوں ہم ایڈوانس سوچ اور ترقی کی آڑ میں اپنے بچوں کو نشاط و سرور کی انجمنوں سے نکال نہیں پاتے

.....! تو بالآخر فرنگی ذہن اس سوچ تک پہنچا کہ مسلمانوں کو شکست خوردہ اور محکوم بنانے کا واحد حل انہیں میدان جنگ سے نکال کر عیاشی، بے حیائی، عریانیت، سستی اور کاہلی کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ اب اس ٹارگٹ کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے عورت کو اس کے اصل مقام سے ہٹانا ضروری ہے اور اس طرح عورت اس میدان کی مرکزی کردار قرار پائی۔ اگر آج کے اس معاشرہ کو میں کچھ اور خرگوش کی اس کہانی کے مترادف کہوں تو کچھ غلط نہ ہوگا آج کا مسلمان اپنے اسلاف اور بزرگوں کے کارناموں کی میٹھی لوریاں سن کر ایسے خواب خرگوش میں گم ہے کہ جیسے اسے خبر تک نہ ہو کہ فرنگی کچھو کتنی دوری طے کر چکا ہے اب جب اس سوئی ہوئی قوم کو جھنجھوڑ کر اٹھایا تو یہ ہڑ بڑا کر ایسے کودنے لگی اور ترقی کی دوڑ میں فرنگی کچھوؤں سے آگے نکلنے کے چکر میں انہیں کی پیروی کرتے ہوئے اونچی اونچی چھلانگیں لگانا شروع کر دیں اور ان چھلانگوں کی آڑ میں ہر وہ چیز خود سے الگ کرتے چلے گئے جس کو اس دوڑ میں ہم نے رکاوٹ محسوس کیا یہاں تک کہ شرم و حیاء اور لباس کو بھی۔۔ حیاء اس

قلبی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان ناپسندیدہ کاموں اور باتوں سے اجتناب کرتا ہے۔ جس شخص میں حیاء ہوتی ہے وہ نہ تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور نہ ایسا کوئی کام کرتا ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ناراض ہو۔ جنسیت ایک مضبوط ترین جبلت ہے اس کو اگر کنٹرول میں رکھا جائے تو ایک مضبوط معاشرہ کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور اگر یہی بے لگام ہو جائے تو معاشرہ طرح طرح کی برائیوں سے بھر جاتا ہے۔ اسی لئے تو معاشرتی زندگی کو اسلام کے تابع کر دیا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی نہ کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دین اسلام کا امتیازی وصف شرم و حیاء ہے۔ شرم و حیاء ایمان کا خاصہ ہے، ایمان کا مقام جنت ہے اور بے حیائی اور بدکاری دوزخ میں لے کر جانے والے ہیں۔ فحاشی عیب ہے اور شرم و حیاء زینت ہے۔ جس میں فحاشی ہوگی اُس کے عیب ظاہر ہوں گے، اللہ تعالیٰ سے جب کوئی بندہ ہاتھ پھیلا کر بھلائی مانگتا ہے تو وہ اُسے نامراد نہیں لوٹاتا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ حیاء ایمان سے ہے اور ایمان جنت میں ہے اور فحش گوئی جفا سے ہے اور جفا دوزخ میں ہے۔ شرم و حیاء کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنے اجسام اور خیالات کو اُن ضروری پردوں میں پاک و طاهر رکھیں جن کا حکم ہمیں ملتا ہے ہم ایسے معاشرہ کی تکمیل کر پائیں گے جو معاشرہ مثالی اور مکمل ہوگا۔۔



ہم کیوں؟



ہم نے سو سال بعد کے لیے تو کیا سوچنا تھا، آج کے دن کے لیے بھی نہیں سوچا۔

مزید موقع ملتا ہے کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ میرا مد مقابل خود اپنی کمزوری کا اقرار کر رہا ہے، یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ ظالم مظلوم کی بے بسی کو دیکھ کر اس پر ظلم کا شگنہ اور کس دیتا ہے۔ اسے پتا ہوتا ہے کہ یہ صرف لوگوں سے مدد کی اپیل کرے گا، لیکن اپنی حفاظت کی کوئی سبیل کرنے کو تیار نہیں۔ جو خود ہی اپنا تحفظ نہ کر سکے کوئی، دوسرا اسے تحفظ کیسے دے گا؟ یہ دنیا تو دارالاسباب ہے۔ یہاں تو جو کرو گے وہی ملے گا۔ جو بوؤ گے اسی کا پھل دنیا میں کاٹو گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کرو کچھ نہ اور امید رکھو عزت سے زندگی گزارنے کی۔ آج اگر ہم دنیا میں کسی بھی قوم کی حکمرانی دیکھتے ہیں تو یہ ان کی محنتوں کا صلہ ہے، جو انہیں دنیا میں ہی مل چکا ہے۔ امریکا، برطانیہ، بھارت، چین اور دوسرے کئی ممالک آج

پس رہا ہے۔ یہی بے چارہ پنجہ کفر میں جکڑا ہے۔ یہ سب کچھ آخر کیوں ہو رہا ہے؟ یاد رکھیں! ہم خود ہی قصور وار اور ان حالات کے ذمہ دار ہیں۔ ہم صرف آہ و بکا کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم ہو رہا ہے، ہمارے خلاف سازش کی جا رہی ہے۔ ہم صرف ظلم سہتے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ ایک عرصے سے ہم اپنی مظلومیت کا نوحہ الاپ رہے ہیں۔ یوں پوری دنیا کو یہ باور کروانے کی کوشش میں ہیں کہ خدا راماں لو کہ ہم مظلوم ہیں! لیکن اہل قوت ہم کو مظلوم مانتے ہوئے بھی ہم پر رحم نہیں کرتے۔ ذرا سوچیے! آج تک کبھی دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی ظالم نے مظلوم کو مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا اور نہ ہی یہ دنیا کا ضابطہ و قانون ہی ہے۔ بلکہ اس طرح تو ظالم کو ظلم کرنے کا

ہر ذی شعور مسلمان کے ذہن میں اکثر و بیشتر یہ سوال جنم لیتا ہے کہ نجانے کب تک ہم اہل حق ہونے کے باوجود اہل باطل سے اپنی زندگی کی بھیک مانگتے رہیں گے؟ ظالموں کے رحم و کرم پر سہم سہم کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی زندگی کے دن گنتے رہیں گے؟ ہر طرف وہی کچھ ہو رہا ہے جو ہم نہیں چاہتے اور جو ہم چاہتے ہیں وہ ہونے نہیں رہا۔ بلکہ اس کے ہونے کی امید بھی معدوم ہے۔ کہیں امریکا کی اجارہ داری اور کہیں اسرائیل کا ظلم و ستم جاری۔ جب سے آنکھ کھولی ہے، چار سو خون مسلم ہی ارزاں دیکھا۔ افغانستان میں زیر ستم مسلمان، برما میں قتل عام مسلمان کا، عراق میں مرتا ہے تو مسلمان۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا و بوسنیا سمیت دنیا کے کونے کونے میں مسلمان ہی ظلم کی چکی میں

دنیا کی کجی اپنے قبضے میں کرنے کو ہیں۔ کیا ہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے؟ اکھاڑا تو خالی ہے۔ ہر ایک کو اجازت ہے کہ آئے اور اپنی قوت، عقلمندی اور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرے، اپنے مد مقابل کو پچھاڑ دے۔ ہم بھی میدان مار سکتے ہیں اور دشمن بھی۔ جو عقلمندی، محنت اور جستجو کے ساتھ کام کرتا ہے یقیناً کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ دشمن نے عقل کو استعمال کر کے محنت کو اپنا شعار ٹھہرایا۔ سو سال پہلے آج کے دن کے لیے سوچا، لائحہ عمل طے کیا اور کام شروع کر دیا۔ جو وسائل ان کے پاس دستیاب تھے ان کو کام میں لے آئے۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس میں کھپا دیا۔ آج وہ اس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ ہم پر حکمرانی کر سکیں۔ حالانکہ ہمارے پاس بھی وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ شاید ہمارے پاس وسائل ان سے کئی گنا زیادہ ہوں۔ ہم نے سو سال بعد کے لیے تو کیا سوچنا تھا، آج کے دن کے لیے بھی نہیں سوچا۔ زندگی کے تمام شعبوں پر کفار کی حکمرانی ہے۔ ہم نے کسی بھی میدان میں ترقی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم اپنے سیاسی نظام، عائلی نظام، تعلیمی نظام، اقتصادی نظام اور مذہبی نظام تک کو مستحکم نہ کر سکے۔ ہر برائی کو ہم نے جگہ دی۔ ہم اغیار کی پیروی اچھی صفات میں نہیں کرتے بلکہ بری چیزوں میں کرتے ہیں۔ اسی لیے ہم سر جھکا کر بھی نہیں جی سکتے کیونکہ ہم اسی قابل ہیں۔ یہ سب کچھ مسلمان ممالک میں ہوتا ہے۔ کیا کراچی جیسا اندھا ظلم بھی کسی غیر مسلم ملک میں ہوتا ہے؟ یہ کس کا قصور ہے؟ ان حالات کے ہوتے ہوئے ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں؟ دشمن کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ سازشیں کرے۔ افسوس تو خود پر ہے کہ ہم صرف

دشمن کو برا بھلا کہنے سے آگے نہیں بڑھ پاتے۔ کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں نہ ہی کسی منصوبہ بندی پر عمل کرتے ہیں۔ ہم اچھی بات کو بھی محض اس وجہ سے ٹھکرا دیتے ہیں کہ وہ بات ہمارے مخالف نے کہی ہے۔ جبکہ امریکا جیسے غیر مسلم ملکوں میں قوم کے لیے کام کیا جاتا ہے، چاہے حکومتیں جتنی بھی بدل جائیں لیکن پالیسیاں نہیں بدلتیں، اسی لیے وہ لوگ دنیا میں ترقی کر رہے ہیں۔ آج بھی وقت ہے جو بن پڑتا ہے، کر لیا جائے۔ ورنہ زندگی کی بھیک مانگنے والوں کو کبھی بھیک نہیں ملتی اور نہ کبھی ملی ہے۔ اگر زندگی کو زندگی کے طریقے پر گزارنا چاہتے ہیں تو اسلاف کی طرح بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ پوری محنت، جستجو اور بیدار مغزی سے کام کرنا ہوگا۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کے بیٹھے رہنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آپ

ورنہ زندگی کی بھیک مانگنے والوں کو کبھی بھیک نہیں ملتی اور نہ کبھی ملی ہے۔

جنگ بدر کو ہی دیکھ لیں۔ اللہ کے سب سے محبوب نبی اگر چاہتے تو اللہ تعالیٰ سے صرف دعا کرتے تو دشمن کا ستیاناس ہو جاتا لیکن عادت خداوندی یہ نہیں ہے۔ اللہ نے دنیا کے تمام تر معاملات کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ ایک ہزار کے مقابلے میں تین سو تیرہ جانثاروں کو لے کر میدان میں اترے، آٹھ تلواریں تھیں، ان کو بھی لے آئے۔ دو گھوڑے تھے وہ بھی ہمراہ لیے۔ جاں نثاروں سے مشورہ کیا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ منصوبہ بندی کی، لائحہ عمل طے کیا، میدان کا معائنہ کیا۔

اسباب کے درجے میں جو آپ ﷺ سے ہوسکا وہ کیا۔ پھر سجدے میں سر رکھ کر کہا: ”یا اللہ! جو ہمارے بس میں تھا وہ ہم نے کر لیا۔ اب فتح دینا آپ کا کام ہے۔“ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا کی۔ آج اگر فلسطین کے معصوم بچوں کو اسرائیل خاک و خون میں لت پت کرتا ہے۔ امریکی طیارے افغانستان و وزیرستان پر بم برساتے ہیں۔ بھارت کشمیر میں مسلمان عوام کو درندگی کا نشانہ بناتا ہے۔۔۔ تو ہم صرف یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو ظلم سے چھٹکارا مل جائے۔ ہم صرف ذکر اور دعا کے ذریعے کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ ان سب چیزوں کی برکت و فضیلت اپنی جگہ لیکن سوچنا یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی نہ کر سکتے تھے؟ لیکن امت کو یہ بتانے کے لیے کہ اگر دنیا میں سراٹھا کر جینا چاہتے ہو تو یہ صرف دعاؤں سے ممکن نہیں، اس کے لیے سرتوڑ کوشش کرنا ہوگی۔ اسی طرح آپ کو حکمرانی مل سکتی ہے، ورنہ دشمن ہر میدان پر قابض ہو جائے گا اور تم حسرت کی آہیں بھرتے رہ جاؤ گے۔ واویلا کرنے سے کبھی کسی کو عزت نہیں ملی۔ عزت و قوت حاصل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کی جاتی ہے۔ اپنی حالت خود بدلنا پڑتی ہے۔ کوئی دوسرا کسی کی حالت نہیں بدلا کرتا، خدا بھی انہی لوگوں کی حالت بدلتے ہیں جو اپنی حالت کی خود فکر کرتے ہیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

جنت میں لے جانے والے اعمال!

عبدالہادی بن حسن وہبی

ہو تو میوے چنا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ جنت کے باغات سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”ذکر کے حلقے“ (ترمذی: ۳۵۱۰) حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہارا ذکر کے حلقوں کے پاس سے گزر ہوا کرے تو اس میں بیٹھ جایا کرو تا کہ تمہیں اجر عظیم اور جناتِ نعيم حاصل ہو، اس حدیث میں ذکر اور مجلس ذکر میں موجود اہل ذکر کی صحبت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس حدیث میں ذکر کا لفظ مطلق استعمال ہوا ہے جو کہ ہر اس ذکر کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد کا سبب بنتا ہو جیسے قرآن پاک کی تلاوت کرنا علم کا مذاکرہ اور تسبیح و تہلیل وغیرہ۔ (فتح الربانی ۴۱، ۲۰۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ذکر کی مجالس کا فائدہ کیا ہے؟ آپ ﷺ

اس کے لئے سہل ہو جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی معرفت، اس کی رضا و قرب کے حصول اور آخرت میں اس ذات کی مجاورت کا راستہ اور ذریعہ صرف وہ علم نافع ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور اس کے ساتھ اپنی کتابیں نازل فرمائیں، پس وہ علم ہی جہالت اور شبہات کے اندھیروں میں ہدایت کا نور ہے۔ (جامع العلوم والحکم ۲، ۲۹۷، ۲۹۸)

اس حدیث مبارک میں تلاش علم کے لئے راستہ پر چلنے میں حقیقی راستہ بھی داخل ہے یعنی حصول علم کے لئے علماء کی مجالس میں پیدل چل کر جانا اور اس میں وہ معنوی راستہ بھی شامل ہے جو حصول علم تک پہنچانے والا ہو، جیسے علم کا مذاکرہ، تکرار اور مطالعہ اور علم کو حفظ کرنا، اسے سیکھنا اور سمجھنا وغیرہ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تمہارا جنت کے باغات سے گزر

علم حاصل کرنا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اور جو شخص کسی راستہ پر چلتا ہے کہ اس میں وہ علم کو ڈھونڈتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے جنت کا راستہ اس کے لئے آسان کر دیتا ہے۔“ (مسلم: ۲۶۹۹) حضور اکرم ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ خبر دی ہے کہ علم کا حصول ایک ایسا راستہ ہے کہ اس کے ذریعہ انسان عظیم درجات اور اہل تقویٰ کے منازل حاصل کر لیتا ہے۔

(الادبیین للاصباحانی، ص ۱۶۶) اس کی وجہ یہ ہے کہ علم ایسی چیز ہے جو تقرب الہی کے حصول کا قریب ترین ذریعہ ہے، لہذا جو شخص علم کی راہ پر چلتا ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا تو وہ آسان تر اور قریب تر طریقے سے اللہ تعالیٰ کے قرب اور جنت تک پہنچ جاتا ہے اور دنیا و آخرت کے وہ تمام راستے جو جنت تک پہنچانے والے ہیں،

نے فرمایا کہ مجالس ذکر کا فائدہ جنت ہے۔ (احمد ۶۱۵۱)۔ اس حدیث پاک میں بھی حصول علم کی ترغیب دی گئی ہے جو کہ ہر ایک پر واضح ہے۔ لہذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اس کے لئے کمر بستہ ہو اور اس موقع سے خوب فائدہ اٹھائے، بالخصوص نوجوان آدمی، جو علم کی بات جلدی سے یاد کر سکتا ہے اور اسے ذہن نشین بھی کر سکتا ہے، اسے چاہیے کہ علم کے حصول کے لئے اس وقت کو غنیمت جانے، پہلے اس سے کہ وہ دیگر کاموں میں مشغول ہو جائے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ علم حاصل کرنا عظیم ترین اور اہم ترین عبادت ہے، لہذا اس میں نیت اور اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ایسا علم سیکھے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاتی ہے وہ اس علم کو اس مقصد کے لئے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کا سامان و اسباب حاصل ہو تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہ پائے گا“ (ابوداؤد، ۳۶۶۴)۔ اس حدیث مبارک میں شدید وعید آئی ہے اور اس وعید سے بچنا مشکل ہے، کیوں کہ حصول علم میں اخلاص پیدا کرنا بڑا دشوار گزار امر ہے اور اس کے لئے مجاہدہ نفس کرنے والے لوگ بھی کم ہی ہوتے ہیں اور نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی قوت و طاقت اللہ تعالیٰ ہی دینے والے ہیں۔ (المفہم، ۶، ۷۰۱)

ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے علم نافع کے حصول کی دعا کرتے ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ سے موروث ہو اور جنت میں پہنچانے والا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت میں داخل فرمائے۔ آمین یا الہ العالمین۔۔

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت!

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس چیز کی ضمانت دے جو اس کے دو جڑوں کے درمیان ہے اور جو اس کی ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ دو جڑوں کے درمیان چیز سے مراد زبان ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان کو حرام بات کہنے سے بچائے گا جیسے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، چغلی کھانا اور دھوکہ فریب دینا وغیرہ تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ کیوں کہ اکثر و بیشتر یہ زبان ہی انسان کو ہلاکت و بربادی کے گڑھوں میں ڈالتی ہے۔ اور دو ٹانگوں کے درمیان کی چیز سے ”مراد شرم گاہ ہے۔ اور شرمگاہ کی حفاظت دین کے عظیم مراتب میں سے ایک ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ”قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ۔ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ۔ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْؤُومِينَ“ (المؤمنون، ۱-۶)

ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع پیدا کرنے والے ہیں اور جو فضول چیزوں سے اعراض کرنے والے ہیں، جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے، پس وہ (اس پر) ملامت نہیں کیے گئے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اے نوجوانانِ قریش! زنا نہ کرو، خوب سن لو کہ جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے گا اس کے لیے جنت ہے۔ (المستدرک، ۸۰۶۲)

یاد رکھیں کہ اس دنیا میں انسان جن بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے سب سے بڑی بلا و آفت اس کی زبان اور شرمگاہ ہے۔ پس جو شخص ان دو چیزوں کے شر سے بچالیا گیا تو سمجھو کہ وہ بہت بڑے شر سے محفوظ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے قول و عمل کے بجالانے کی توفیق مرحمت فرمائے جس سے وہ راضی و خوش ہوتا ہے اور ہمیں لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رکھے کہ وہ ذات ہر چیز پر خوب قادر ہے۔۔ (الاربعون الصحیحہ، ۵۴)

جہاد فی سبیل اللہ!

حضرت عبادہ بن الصامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے غم و فکر سے نجات دیتے ہیں۔ (احمد، ۵، ۳۱۴)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کا میں ضامن ہوں، اگر میں اس کی روح کو قبض کروں تو اسے جنت کا وارث بناؤں گا۔ اور اگر واپس بھیجوں تو اجر و ثواب یا مال غنیمت دے کر واپس بھیجوں گا۔ (ترمذی ۱۶۲۰)۔ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے عظیم فضیلت موجود ہے اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صرف اخلاص و ایمان اور نیت سے ہی پاکیزہ بنتے ہیں۔ نیز یہ حدیث مبارک اس بات کی دلیل ہے کہ مال غنیمت کے لینے سے مجاہد

کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور مجاہد کو وافر اجر و ثواب ملتا ہے، خواہ اسے مالی غنیمت حاصل ہو یا نہ ہو (التعمید، ۱۸، ۳۲۱)۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ ہم سب کو ان لوگوں میں سے بنائے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اس کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں اللہ کی ذات ہر چیز پر قادر ہے (شرح ریاض الصالحین ۴، ۵۴، ۳)۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں سو درجات ہیں اللہ تعالیٰ نے وہ درجات ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں جو اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں، ان دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان۔“ (بخاری، ۲۷۹۰)۔ اس حدیث مبارکہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے عظیم اجر و ثواب کا بیان ہے، جو شخص اللہ کے دین کی نصرت اور اس کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر اپنی جان اور اپنا مال قربان کر دے اسے اس عظیم اعزاز سے نوازنا کوئی زیادہ عجیب بات نہیں ہے۔ (تمام المنہص ۹۳)۔ ہم اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سب کو اپنی راہ میں مرتبہ شہادت

عطا فرمائے اور ہم سب کی نفس کے ساتھ بھی اور اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے میں مدد فرمائے کہ اس کی ذات تو ہر چیز پر قادر ہے۔ حضرت عبداللہ بن اوفیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں! دشمن سے مڈبھیڑ کی آرزو مت کرو اور اللہ سے عافیت مانگو (لیکن) جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی دکھاؤ اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔“ (بخاری، ۲۹۶۶)۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانِ ذی شان ”جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے“ کیوں کہ اکثر و بیشتر یہ زبان ہی انسان کو ہلاکت و بربادی کے گڑھوں میں ڈالتی ہے۔

ایسے نفس اور بدلیج کلام میں سے ہے کہ بلاغت کی جملہ انواع و اقسام کو جامع اور حاوی ہے کہ الفاظ بھی مختصر اور شیریں ہے اور استعارہ بھی کیا خوب ہے، اور مختصر کلمات کے باوجود یہ کلام کس قدر معانی و مضامین کو شامل ہے، ایسا کلام بڑے سے بڑے فصیح اور بلیغ اشخاص بھی پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہیں، بلکہ اس کے ہم شکل اور ہم مثل کلام لانے سے بھی عاجز ہیں، کیوں کہ اختصار کے باوجود اس

کلام سے بہت سے امور مستفاد ہوتے ہیں جیسے جہاد کی ترغیب اور اس پر اجر و ثواب کا ذکر، دشمن سے مقابلہ کرنے پر ابھارنا اور لڑائی میں تلواروں کا استعمال اور ان پر اعتماد کرنا اور میدانِ جہاد میں جنگجوؤں کا باہم مقابلہ کرنا اور شمشیر زنی کے سائے تلے رہنا وغیرہ یعنی اللہ کے راہ میں تلوار سے لڑنے والے کو اللہ تعالیٰ اس شمشیر زنی کی وجہ سے جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (المفہم ۳، ۵۲۵)۔ جو انسان، خلوص دل سے شہادت کا طلبگار ہوتا ہے اس کے لیے شہادت کی امید کی جاسکتی ہے، اگرچہ میدانِ کارزار میں حصول شہادت کا مرتبہ اسے میسر نہ ہو سکے، اس کی دلیل آنحضور ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”جو شخص سچے دل سے شہادت کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مراتب تک پہنچا دیتا ہے، اگرچہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔“ (مسلم ۱۹۰۹)۔ ہم اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہم سبھی کو شہادت کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں شہداء کے درجات تک پہنچائے اور جنتِ نعیم میں ہم سب کو جمع فرمائے۔ ”آمین“ (شرح ریاض الصالحین ۳، ۲۶)

جب تمہارا ان سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدمی دکھاؤ

اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

مقصد تخلیق آدم

سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا لاڈلا اور اشرف کیوں ہے؟

چوہداری رحمت علی

کرتا ہے، ہوا اور اس کی حرکت کو جیسے چاہے اپنے لیے سازگار بنالیتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا لاڈلا اور اشرف کیوں ہے؟ دوسرے لفظوں میں ہر دوسری مخلوق جب انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے تو انسان کس کام اور مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ مقصد تخلیق آدم ہے کیا؟ ظاہر ہے وہ کام بھی اسی طرح انوکھا اور افضل ہونا چاہیے جس طرح یہ مخلوق یعنی انسان انوکھا اور افضل پیدا کیا گیا ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس مقصد کو بیان کریں کہ جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، اس حقیقت کا ذکر ضروری ہے۔ کہ جس قدر یہ اہم ہے، کہ انسان جانے کہ اسے کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اتنا ہی انسانوں کی اکثریت مرنے تک یہ نہیں سوچ

اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تمہیں درکار تھا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے، (سورہ ابراہیم، ۳۲، ۳۴) کس قدر عظیم عطا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دوسری مخلوق کو انسان کے لیے صرف مسخر ہی نہیں کیا بلکہ نافع بھی۔ انسان کی ہر فطری ضرورت پوری کی۔ دوسری اشیاء کو اللہ پاک نے بنایا ہی ایسا ہے کہ جو انسانی بقا اور ارتقاء کے لیے ضروری ہے، انسان مرغی پکڑتا ہے، ذبح کرتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ گھوڑے کو لگام دیکر سوار ہو بیٹھتا ہے، دریاؤں کے رخ موڑ کر پانیوں کو من مرضی کے مطابق استعمال

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اکرم المخلوقات بنایا ہے۔ اتنی عظمت دی رب کائنات نے اس خاک کے پتلے کو کہ ہر دوسری مخلوق کو اس کے لیے مسخر کر دیا۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں:-

”هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَفْئِئَةِ جَبَلٍ“

وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ (سورۃ البقرہ ۲۹)

ایک اور جگہ اسی حقیقت کو مزید کھول کر بیان کیا گیا۔ فرمایا ”اللہ وہی تو ہے جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے۔ جس نے کشتی کو تمہارے لیے مسخر کیا کہ سمندروں میں اس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ جس نے سورج

پاتی، کہ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ انسانوں کی ایک معتد بہ اکثریت دنیا میں آتی ہے اور اپنی تخلیق کا مقصد جانے بغیر واپس اپنے رب کے ہاں لوٹ جاتی ہے۔ ظاہر ہے وہ تمام انسان جو نادانی میں اپنے زندگی کا پورا عرصہ گزار کر اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے تو وہ خود گنجائش پیدا کریں گے کہ ان کے خلاف کاروائی کی جائے گو وہ بصورت دیگر (Otherwise) کئی کارہائے نمایاں ادا کر گئے ہوں گے۔ بزعم خویش بڑی بھرپور اور کامیاب زندگی گزار کر اللہ کے ہاں لوٹے ہوں گے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کریں لاہور میں واقع کوئی محکمہ اپنے کسی اہل کار کو کراچی بھیجتا ہے کہ فلاں سرکاری کام کر کے آئے، اہل کار کراچی جاتا ہے، خوب سیر سپاٹے اور خرید و فروخت کرتا ہے، اپنے رشتہ داروں سے ملاقاتیں کرتا ہے لیکن وہ کام نہیں کرتا جس کو کرنے کے لیے محکمہ نے اسے کراچی بھیجا تھا۔ واپس لاہور آتا ہے، ظاہر ہے وہ نادان اہل کار خود محکمہ کو موقع فراہم کرتا ہے کہ اس کے خلاف انضباطی کاروائی کرے۔ اللہ تعالیٰ کو موقع فراہم کرنے اور محکمہ کو موقع فراہم کرنے میں، البتہ زمین و آسمان کا فرق ہے۔ محکمہ کو ایک دفعہ ناراض کر کے وہ اہل کار پھر اپنی اچھی کارکردگی سے محکمہ کا نورِ نظر بن سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراضگی کا موقع فراہم کر کے اللہ کے ہاں واپس جانے والے کو دوبارہ کبھی موقع نہ ملے گا کہ وہ بہتر کارکردگی سے اب کی بار اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکے، اس کو سزا ملے گی اس (زندگی) کی ابتدا تو ہوگی، انتہا کبھی نہیں۔

مقامات پر مختلف انداز میں اس کا ذکر آیا ہے۔ سورہ ذاریات کی ایک چھوٹی سی آیت مبارکہ میں، البتہ، اس کا دو ٹوک، حتمی اور پر زور ذکر آیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔“ (سورہ الذاریات، ۵۶) ہم نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی مقصد کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ اسے یوں بھی بیان کر سکتے تھے کہ میں نے جن اور انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ لیکن ”سوائے اس کے“ کا ذکر کر کے مقصد تخلیق آدم کو اٹل، حتمی اور حقیقت میں بڑا ہی واضح اور پُر زور کر دیا گیا ہے۔ اس آیت مقدسہ کو پڑھتے ہوئے قاری کے ذہن میں ایک تعجب انگیز تاثر پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں عبادت کا جو مفہوم معروف ہے، وہ بس نماز، روزے، حج، زکوٰۃ، تسبیحات و مناجات اور اسی قبیل کے دوسرے مراسم عبودیت تک محدود ہے۔ بلکہ محض ”عبادت“ سے تو یہ تاثر ابھرتا ہے کہ دنیا داری کا کوئی کام نہ کیا جائے۔ مصلیٰ ہو، تسبیح ہو اور گوشہ تنہائی میں بس اللہ اللہ۔ اسلام یوں ”تارک الدنیا“ ہونے کے تصور کی جڑ کاٹ دیتا ہے یہ اعلان کر کے کہ ”لارہبانیۃ فی الاسلام“ اسلام میں رہبانیت جیسی کوئی شے نہیں۔ اسلام ایک متحرک اور مستحکم دین ہے۔ وہ تسخیر کائنات و تعمیر انسانیت اور تدبیر منزل کا درس دیتا ہے۔ قرآن مجید میں دین کی اصطلاح اکثر و بیشتر، استعمال ہی ”نظام“ کے معنی میں ہوئی ہے۔ اسلام کا راستہ زندگی کے عین منجد ہار سے گزرنے کا راستہ ہے۔ ”اکاس بلی“ (یعنی وہ افراد جن کا گزر اوقات دوسروں کی کمائی پر ہو) کی اسلام میں کوئی

گنجائش نہیں۔ پوپ، پادری، پریسٹ، پنڈت، پروہت، پجاری وغیرہ جیسی تن آسان اور زندگی سے فرار اختیار کرنے والی ہستیوں (یعنی جن کے مذہبی تخلص کی ابتدا لفظ ”پ“ سے شروع ہوتی ہے) کی اسلام شدت سے نفی کرتا ہے۔ کیا خوب ترجمانی کی علامہ اقبال نے جب فرمایا:۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ حق، مردانِ خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات
سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس عبادت کا کیا مفہوم ہے جو مقصد تخلیق آدم اور بالآخر انسان کی مغفرت و نجات کا باعث بنتا ہے۔ قرآن و سنت کی رو سے درج ذیل تین نمایاں مفاہیم ہیں۔ قرآن مجید کی استعمال کردہ ”عبادت“ کی اصطلاح کا پہلا مفہوم وہی ہے جو عام فہم ارکانِ اسلام.... نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی، ان فرائض کا وقفہ وقفہ سے دہراتے رہنا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں یعنی ان انسانوں کیلئے جو دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں، لازم قرار دیا۔ ان کی ادائیگی کے بغیر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا محض خود کو فریب دینا ہے۔ یہ چاروں فرائض اسلام کے ستون ہیں۔ نماز کو تو خود نبی رحمت ﷺ نے ”عماد الدین“ قرار دیا۔ لیکن وہ عبادت جو مقصد تخلیق آدم ہے محض ان فرائض کی ادائیگی سے پورا نہیں ہوتا۔ محض عبادت کے لیے تخلیق کا مطلب تو یہ ہے کہ سن شعور سے لے کر آخری سانس تک ایک انسان کا ہر لمحہ بلکہ لمحہ کا بھی کروڑواں حصہ عبادت کے بغیر نہ گزرے۔ مثال کے طور پر اگر نماز کو لیں تو پانچوں نمازوں کی

ادائیگی زیادہ سے زیادہ دو گھنٹوں میں ہو جاتی ہے تو پھر اس سے یعنی دو گھنٹے عبادت اور باقی بائیس گھنٹے غیر عبادت میں گزارنے سے تو مقصد تخلیق آدم پورا نہیں ہوتا۔ پورا ہوتا ہے تو صرف ایک ہی صورت میں کہ ایک انسان کا ہر لمحہ ”من الصالحین“ اور ”مع الصادقین“ کی سطح کا گزرے۔ ایسا ہونا ممکن ہے اور وہ اس طرح کہ انسانی جسم کوئی ہزاروں اعضاء پر مشتمل ہے، ان اعضاء میں سے

وسنت کے کسی نہ کسی حکم کی پیروی ہو رہی ہوتی ہے اور جب بھی یہ عضو حرکت گناہ کا ارتکاب کر رہی ہوتی ہے تو متوازا شریعت کے کسی نہ کسی حکم کی نافرمانی ہو رہی ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نیکی ہی نیکی کرنے والا مومن اس لیے چلتا پھرتا قرآن ہوتا ہے کہ اس کا سونا، اس کا جاگنا، اس کا غسل کرنا، اس کا وضو کرنا، اس کا کھانا، اس کا پینا غرضیکہ اس کا ہر فعل قرآن وسنت کے مطابق ہوتا

کیس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے تین سال (بھی) لگا دے، اس دوران ظاہر ہے اسے شواہد و قرآن سے ہی اندازہ لگا کر کیس کا فیصلہ کرنا ہوتا ہے، خود تو بالفعل وہ موقع پر موجود نہیں ہوتا، اگر وہ حج سماعت کا یہ کام پوری لگن، دیانتداری اور جانفشانی سے کرتا ہے تو فیصلے کی پھر بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یعنی فیصلہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ اگر فیصلہ صحیح ہو جائے تو حج کو دو ہر ا ثواب حاصل ہوتا ہے اور اگر فیصلہ غلط ہو جاتا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ اس کو اکہرا ثواب ضرور ہوگا۔ ہر دو صورتوں میں اس حج (قاضی) کا اس کیس میں لگایا ہوا تین سال کا متعلقہ وقت بطور ”عبادت“ شمار ہوگا۔ لیکن وہی حج اسی کیس کا فیصلہ سناتے وقت کسی دوست، رشتہ دار وغیرہ کی سفارش پر یا رشوت وصول کر کے ڈنڈی مار جاتا ہے تو وہی وقت جو تین سالوں میں اس نے اس کیس پر صرف کیا اس کے نامہ اعمال میں بطور گناہ درج کیا جاتا ہے۔ ذرا سادہ معاملہ لیں تو مثال کے طور پر ایک کاشتکار صبح اٹھتا ہے، اپنے کھیت پہنچ کر اپنی فصل کاٹتا ہے، گھرا کر کترتا ہے اور جانوروں کو کھلاتا ہے تو جتنا وقت اس نے اس کام میں لگایا بطور نیکی شمار ہوگا، بصورت دیگر یعنی فصل کاٹنے وقت وہ اپنے کھیت کی کاٹی ہوئی فصل کے ساتھ پڑوسی کے کھیت سے پڑوسی کی فصل کاٹ کر شامل کر لیتا ہے تو وہ پورا وقت جو اس پورے کام میں اس نے لگایا بطور گناہ شمار ہوگا۔ غرضیکہ انسان سے سرزد ہونے والا کوئی بھی کام اگر جائز طریقے (قرآن وسنت کے مطابق) سے کیا جائے تو نیکی ہوگا اور اگر ناجائز طور سے کیا جائے تو بدی ہوگا، تیسری کوئی چیز نہیں محض عبادت کے لیے پیدا کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ یا بے مقصد پیدا نہیں کیا خواہ وہ مخلوق، چھوٹی سے چھوٹی بمثل بیکٹیریا ہو، یا بڑی سے بڑی بمثل آسمان ہو، انسان کو بھی کیا کوئی کام دے رکھا ہے؟ اور اگر دے رکھا ہے تو وہ کام ہے کیا؟

ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے فرمایا:۔
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن۔
پھر جس طرح ایک انسانی عضو سے سرزد ہونے والا عمل نیکی ہوتا ہے ماگناہ، اسی طرح ایک انسان سے سرزد ہونے والا کوئی کام (Job) بھی ایک طرح سے کیا جائے تو نیکی بن جاتا ہے اور دوسری طرح سے کیا جائے تو وہی کام گناہ کا کام بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک حج (قاضی جو قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ کرتا ہو) ہو سکتا ہے کسی

جب بھی کوئی عضو حرکت کرتا ہے تو نیکی کا کام ہو رہا ہوتا ہے یا گناہ کا، تیسری کوئی چیز نہیں۔ جب بھی زبان، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ میں سے کوئی ایک عضو یا مل کر تمام اعضاء حرکت کرتے ہیں تو نتیجہ کے طور پر نیکی سرزد ہو رہی ہوتی ہے یا برائی، تیسری کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے صرف عبادت کے لیے پیدا کیے جانے کا مطلب ہے کہ سن شعور سے لے کر آخری سانس تک جب بھی انسان کا کوئی عضو حرکت کرے نیکی کے لیے کرے، برائی کے لیے کبھی نہیں۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت کہ جب بھی کوئی عضو نیکی کے لیے حرکت کرتا ہے تو متوازا قرآن

جائز طریقے سے نیکی کے لیے ہو، ناجائز طریقے سے بدی کے لیے کبھی نہ ہو۔ سورہ ذاریات کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ پڑھنے سے ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس آیت کریمہ میں صرف دو مخلوقات یعنی جن اور انسان کا ذکر ہے۔ اس سے کیا یہ مطلب لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دو مخلوقات سے عبادت مطلوب ہے باقی کروڑوں مخلوقات سے نہیں۔ عبادت تو یقیناً ہر مخلوق کی درکار ہے بلکہ قرآن بار بار اس بات کا اعادہ کرتا ہے کہ زمین و آسمان میں موجود ہر مخلوق ہر لمحہ ہر آن محو عبادت ہے۔ تسبیح و مناجات میں مصروف ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں صرف دو مخلوقات کا ذکر کیا گیا، باقی کا نہیں تو اس لیے کہ ان دو مخلوقات بالخصوص انسان کی حیثیت دوسری تمام مخلوقات سے یکسر مختلف ہے۔ انسان (اور کسی حد تک جن) کو اللہ تعالیٰ نے ایک مقررہ مدت تک نہ صرف صوابدیدی اختیارات دے رکھے ہیں بلکہ دوسری بہت سی صلاحیتیں اور اہلیتیں بھی عطا کر رکھی ہیں جو دوسری مخلوقات کو حاصل نہیں۔ یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار و ارادہ کی صلاحیت و دیعت کر رکھی ہے کہ وہ چاہے تو نیکی کرے اور چاہے تو بدی۔ چاہے تو اللہ تعالیٰ کو مانے اور چاہے تو نہ بھی مانے۔ سورج، چاند، پانی، ہوا وغیرہ میں یہ صلاحیت ہے ہی نہیں۔ دوسری مخلوقات بے چوں و چرا پابند ہیں، اس کام کے کرنے کی جو اللہ تعالیٰ نے ازل سے ان میں سے ہر ایک کو تفویض کر رکھا ہے۔ سورج کو مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے روشنی اور گرمی مہیا کرنے کا کام دے رکھا ہے۔ سورج کی کیا مجال کہ وہ دیئے

گئے کام سے بال برابر بلکہ بال کا کروڑواں حصہ بھی انحراف کرے۔ وہ نہیں کر سکتا کہ کسی دن نہ چڑھے اس لیے کہ اس کی طبیعت ناساز ہے یا یہ کہ وہ کسی درکشاپ میں زیر مرمت ہے۔ وہ دیئے گئے کام سے سر مو انحراف نہیں کر سکتا اور اس کا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس کام کو کیے جانا ہی اس کی عبادت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ یا بے مقصد پیدا نہیں کیا خواہ وہ مخلوق، چھوٹی سے چھوٹی بمثل بیکیٹیریا ہو، یا بڑی سے بڑی بمثل آسمان ہو، انسان کو بھی کیا کوئی کام دے رکھا ہے؟ اور اگر دے رکھا ہے تو وہ کام ہے کیا؟ ظاہر ہے انسان کو دیا جانے والا کام افضل بھی ہوگا اور عظیم بھی۔ اس لیے کہ یہ مخلوق نہ صرف شرف و افضلیت کی حامل ہے بلکہ دوسری ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہی ایسا ہے کہ جو انسانی ضرورت کے عین مطابق اور موزوں ہو۔ ایسا ہی ہے، ربّ کائنات نے انسان کو زمین میں کرنے کا کم و بیش وہی کام دے رکھا ہے جو خود ربّ کائنات باقی کائنات میں براہ راست کر رہا ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت جو باقی کائنات میں براہ راست جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ کے طے کردہ پروگرام کے مطابق زمین میں انسان کے ذریعہ سے نافذ کرنا مطلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے آغاز ہی میں یعنی سورہ بقرہ کے چوتھے رکوع میں جہاں فرشتوں کو عندیہ دیا ہے کہ وہ زمین میں خلیفہ بنانے والا ہے، رکوع کے اختتام سے پہلے یعنی اس رکوع کی آخری آیت میں نہ صرف کارِ خلافت کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کی نوعیت کا بھی فرمایا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:-

ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر میری طرف سے جو ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں ایک تو اس کام کی وضاحت ہو گئی جو انسان نے زمین میں کرنا ہے یعنی دنیا میں ہدایت الہی کے مطابق نظام کا قیام اور دوسرے اس امر کی وضاحت کہ انسان کو ارادہ و اختیار (Discretionary Powers) کی صلاحیت حاصل ہے چاہے تو وہ الہی قانون نافذ کرے، جس صورت میں وہ کامیاب قرار پائے گا۔ اور چاہے تو وہ آسمانی ہدایت کو ٹھکرادے جس صورت میں وہ ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو کبھی بجھنے والی نہیں۔ یہ بھی اس آیت سے عیاں ہوا کہ جب وہ اپنا نظام زندگی الہی قوانین کے مطابق استوار نہ کرے گا تو پھر اپنے خود ساختہ قوانین نافذ کرے گا، اس لیے کہ بہر صورت اس نے زندگی تو اس دنیا میں گذارنی ہے۔ کارِ خلافت یعنی وہ کام جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو تفویض کیا ایک جملے میں بیان کیا جائے تو یہ کہ ”زمین پر انسانوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کی حکومت“ اور اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو بس ”خلافت“۔۔۔ اس جملے کے پہلے حصے میں تین اہم پالیسی امور بیان کیے گئے۔ ایک تو یہ کہ ایسی اللہ تعالیٰ کی بالواسطہ حکومت صرف ایک کڑہ یعنی کڑہ ارض پر ہے باقی کڑات پر نہیں، وہاں اللہ تعالیٰ کی حکومت براہ راست ہے۔ دوسرا یہ کہ ظاہر

ہے کہ جس کا بنایا ہو قانون نافذ ہو، حکومت اسی کی ہوتی ہے۔ لہذا زمین پر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے، اس لیے کہ حاکمیت صرف ایک اسی ہستی کو سزاوار ہے۔ اور تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت معرض وجود میں آتی ہے تو صرف اس صورت میں کہ دنیا میں الہی قانون نافذ ہو۔ جملے کے دوسرے حصہ میں ایسی حکومت کو خلافت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے تو اس لیے کہ اصل حاکم غیب میں ہے، اللہ تعالیٰ خود زمین پر حکمرانی کوئی اپنا دفتر کھول کر نہیں کر رہا۔

قرآن مجید مزید پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ قیام خلافت کا کام بطور امانت دے رکھا ہے، بلکہ پیشکش ہونے پر انسان نے اس عظیم کام کو کرنے کا برضا و رغبت بیڑا خود اٹھایا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے:- ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھالیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔ (احزاب ۷۲)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ کام بطور امانت ہی نہیں دیا بلکہ وہ صلاحیتیں (Faculties) اور سہولتیں (Facilities) بھی بطور امانت عطا کیں جن کو دیئے بغیر وہ اس قابل ہی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کا کام سرانجام دیتا۔ ان صلاحیتوں اور سہولتوں کو عطا کرنے کا ذکر بھی کتاب اللہ میں آیا۔ فرمایا گیا:- جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا ”میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب میں اس کی نوک پلک ٹھیک کردوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس

کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔ (ص، ۷۲)

اس آیت مبارکہ اور سورۃ احزاب کی مذکورہ آیت مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے انسان ایک عام سی مخلوق تھی اس لیے کہ شروع میں ہی انسان اگر اشرف المخلوقات ہوتا تو دوسری مخلوقات کو کار خلافت پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جب آفر ہونے پر انسان نے خود اس بار امانت کو اٹھالیا تو پھر یہ ”نوک پلک ٹھیک کرنے“ کا مرحلہ آیا۔ نوک پلک ٹھیک کرنے میں کیا کیا گئی؟ وہی کہ انسان کو بولنے، سمجھنے، سوچنے، تمیز کرنے، فیصلہ کرنے کی صلاحیتیں دیں۔ اختیار وارادہ کی صفت صرف رب کائنات کو سزاوار ہے۔ جب اللہ ہی کی حکومت کو زمین پر قائم کرنے کا بیڑا انسان نے اٹھالیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ”نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ“ کی شکل میں اسی اختیار وارادہ کی صفت کا کچھ پرتو (حصہ) انسان میں ودیعت فرمایا۔ اس قدر عزت و شرف انسان کو عطا کرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ انسان کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے تو غالباً یہ وہ سجدہ نہ تھا جو ہم انسان یا دوسری مخلوقات اللہ کے حضور کرتی ہیں۔ دراصل دنیا و آخرت میں کیے جانے والے امور کی نگرانی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دے رکھی ہے (مدبرات امر) تو ان نگرانوں کو اللہ تعالیٰ نے جب انسان کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو کہا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہر وہ چیز جو ان نگران فرشتوں کی نگرانی میں ہے انسان کے لیے مسخر ہے۔ لہذا اب وہ کوئی مزاحمت کرنے کی بجائے خود بھی انسان کے لیے مہم و معاون بن جائیں تاکہ انسان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت کرنے کا فریضہ بطریق

احسن ادا کر سکے۔

یہ تمام سہولتیں اور اہلیتیں عطا کرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور سہولت کا مہیا کرنا ضروری تھا۔ یہ سہولت تھی اللہ تعالیٰ کے ان قوانین و فرامین کی فراہمی کی کہ جن کو نافذ کر کے ہی کار خلافت کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ ان قوانین و فرامین کو ایک ہی وقت میں انسانیت کے سپرد نہیں کیا جاسکتا تھا اس لیے کہ پوری انسانی تاریخ پر تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ ان میں وقتاً فوقتاً ترمیم و تبدیلی ناگزیر تھی۔ بنا بریں ضروری تھا کہ پوری انسانی تاریخ پر آسمانی کتابوں کا نزول اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت اس وقت تک ہوتی رہتی جب تک کہ دین حق کی حتمی اور آخری تکمیل نہ ہو جاتی اور سلسلہ تنزیل کتب اور بعثت انبیاء (علیہم السلام) کو منقطع نہ کر دیا جاتا۔ ایسا ہی ہوا۔ اور اس ساری حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور شیطان کو زمین پر بھیجنے کے آخری مرحلے (جیسا کہ سورہ بقرہ ۲۹ میں بیان ہوا) میں بصراحت واضح کر دیا۔ نتیجہ نکلا اس پورے بیان کی گفتگو کا تو یہ، کہ مقصد تخلیق آدم عبادت ہے۔ عبادت کے تین مفہیم ہیں اور تینوں مفہیم کے اعتبار سے عبادت کا مقصد پورا ہوتا ہے، تو ایک اس صورت میں کہ دنیا میں نظام خلافت قائم ہو۔ بنا بریں مقصد تخلیق آدم ٹھہرا۔۔۔ قیام و دوام خلافت۔۔۔ وہ شخص جو اس دنیا کی زندگی میں قیام خلافت کے کام کو سرانجام نہیں دیتا ”مقصد تخلیق آدم“ سے بے بہرہ رہ کر زندگی گزارتے ہوئے اپنے رب کے پاس لوٹتا ہے جو انتہائی خسارے کا سودا ہے۔ ہر فرد نے دنیا میں ایک ہی بار آنا ہے، دوسری بار کبھی نہیں۔۔۔

بلا دشنام اللہ کے نیک بندوں کی میراث ہے۔

بہر حال نبی کریم ﷺ نے ارض مقدس کی اصل بنیاد اسلام قرار دیا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب اہل شام فساد کا شکار ہو جائیں تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں۔“

کے ساتھ 'شام' کے بے شمار مناقب و فضائل نقل کیے ہیں۔ بیرونی اسلامی فتوحات میں انبیاء (علیہم السلام) کی یہ سرزمین اہل اسلام کیلئے پہلا خدائی تحفہ تھی۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے لشکر کے ہاتھوں یرموک کی فیصلہ کن شکست کے بعد سیریر ہر کیولیس اپنا یہ تاریخی جملہ کہتا ہوا رخصت ہوا تھا 'سلام تجھے اے ارض شام! اب کبھی تجھ سے ملاقات ممکن نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خطہ اذنانوں کی گونج میں عدل فارقی کا نظارہ کرنے لگا!

سرزمین شام قرآن میں:

ارض مبارکہ: قرآن مجید میں بلاد شام کو ارض مبارکہ کہا گیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب "منقب الشام واهلہ" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں: کتاب وسنت اور آثار علماء سے شام اور اس کے باشندوں

سرزمین شام کو مبارک سرزمین ہونے کا شرف حاصل ہے،

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس خطہ زمین کی برکات اور رحمتوں کی جانب اشارہ کیا گیا، اس سرزمین پر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قدم پڑے، بلکہ یہ سرزمین پیغامات الہی کا سرچشمہ رہی، اور اللہ کے رسولوں کا ماویٰ و مسکن بنی، تاریخ میں جس خطے کو بُلا دِ شام کہا جاتا ہے اس کے چار اقلیم ہیں، حالیہ سیریا، فلسطین، لبنان اور اردن، جو کہ اس وقت چار الگ الگ ملکوں میں منقسم ہے۔ خطہ شام صرف قدیم نبوتوں اور صحیفوں کے حوالے سے نہیں، بلکہ احادیث نبوی کے اندر بھی ایک قابلِ تعظیم خطہ کے طور پر مذکور ہے اور محدثین عظام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت

صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا: شام کیلئے بھلائی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ رحمن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلاتے ہوئے ہیں۔ (رواہ الترمذی وصححہ الالبانی)

مبارکہ کونجالت گاہ بنایا تھا، اور بلاد شام سے سرزمین فلسطین کا انتخاب فرمایا، شیخ سعدیؒ آیت بالا کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”آیت میں برکت والی زمین سے مراد شام ہے، کیونکہ اکثر انبیاء کا تعلق اسی سرزمین سے تھا، اسی سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کے لیے مقام ہجرت بنایا، اور اسی سرزمین میں اس کے گھروں میں سے ایک گھر بیت المقدس ہے۔“ مسجد اقصیٰ اسی سرزمین میں واقع ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بابرکت بنایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آیت میں لفظ تین سے مراد بلاد شام ہے اور لفظ زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرزمین شام کو سچائی کا ٹھکانہ قرار دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا“

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے۔ اس سرزمین کے پورے پچھم کا مالک بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا کہ وہ ہواؤں کو ارض مبارک یعنی شام کی جانب رخ کرنے کا حکم دیں:

”وَلِسَلِيمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ“

ترجمہ: ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام)

کے تابع کر دیا جو اس کے فرمان کے مطابق اس زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی، اور ہم ہر چیز سے باخبر اور دانا ہیں۔

ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں: سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ارض مبارک کی ہوائیں چلتی تھیں، اور ارض مبارک سے مراد ملک شام ہے، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ﴿١﴾ وَطُورِ سِينِينَ ﴿٢﴾ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ“

ترجمہ: قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔ بعض مفسرین نے

”سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ“

ترجمہ: پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے، اس لئے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض نمونے دکھائیں، یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے ساتھ سرزمین شام کی جانب جانے کا حکم دیا تھا، لیکن قوم نے داخل ہونے سے انکار کیا تھا، ”يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ“

ترجمہ: اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو۔۔۔

بلاد شام اللہ کے نیک بندوں کی میراث ہے۔

”وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ بُيُوتًا صَدَقَ“

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا۔ ابن کثیرؒ نے آیت کی تفسیر میں کہا کہ مَبُوءٌ صَدَقٌ سے مراد بلاد مصر و شام ہے جو بیت المقدس کے ارد گرد واقع ہے، اور طبریؒ نے قتادہ کے حوالے سے کہا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو شام اور بیت المقدس میں ٹھکانہ عطا کیا تھا،

بلاد شام احادیث رسول (ﷺ) کی نظر میں: شام میں سکونت اختیار کرنے کی وصیت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:، اخیر زمانے میں حضر موت سے تم پر ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی، صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسے وقت آپ کا ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: شام کا رخ کرنا۔

(رواہ الترمذی وصححہ الالبانی)

حضرت عبداللہ بن حوالہؓ سے مروی ہے: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عنقریب ایک ایسا وقت

آنے والا ہے جب تمہارے لشکر الگ الگ ہو جائیں گے۔ ایک لشکر شام میں ہوگا تو ایک یمن میں اور ایک عراق میں۔ ابن حوالہ نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر میں اس وقت کو پاؤں تو فرمائیے میں کس لشکر میں جاؤں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم سرزمین شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا، اگر تجھے یہ منظور نہ ہو تو پھر یمن کو اختیار کرنا اور اپنے حوضوں سے پانی پلاتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر ملک شام کی اور اہل شام کی کفالت فرمائی ہے۔“

[أبوداود، السنن، کتاب الجہاد، باب : فی سکنی الشام، 3: 4، رقم: 2483]

نیز نبی کریم ﷺ نے اہل شام سے متعلق وصیت فرماتے ہوئے فرمایا: تم سرزمین شام کو (سکونت کے لئے) اختیار کرنا کیونکہ سرزمین شام اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین زمین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قطعہ ارضی میں اپنے بہترین بندوں کو چن کر اکٹھا فرمائے گا۔ [رواہ أبوداود وأحمد، بسند صحیح.]

خطہ شام طائفہ منصورہ کا مسکن:

حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری امت میں سے ایک گروہ ایسا ہوگا جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا رہے گا جو بھی انہیں ذلیل کرنے یا انکی مخالفت کرے گا وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے گا اور وہ لوگ اس پر قائم ہوں

گے۔ (متفق علیہ) مالک بن یخامر کہتے ہیں: میں نے حضرت معاذؓ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ یہ گروہ شام میں ہوگا۔

اور ایک روایت میں ہے:۔ میری امت میں سے ایک گروہ حق پر لڑتا رہے گا، جو اپنے دشمن پر غالب رہے گا، حتیٰ کہ ان میں سے آخری شخص مسیح الدجال سے لڑائی کرے گا۔ یہ بات مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں باب لد کے پاس مسیح دجال کا سامنا کریں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل شام کو قیامت تک اللہ کے حکم کے قائم کرنے اور قیامت تک ان میں طائفہ منصورہ کے وجود کی وجہ سے امتیازی طور پر ذکر فرمایا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل شام سے متعلق اس طرح فرمانا ان میں دائمی کثرت و قوت کے ہونے کی دلیل ہے، اہل شام کے علاوہ اسلام کی کسی زمین کے باشندوں میں یہ وصف بیان نہیں کیا گیا، حالانکہ سرزمین حجاز ایمان کا اصل مرکز ہے، لیکن آخری زمانے میں وہاں بھی علم، ایمان، نصرت اور جہاد کم ہو جائے گا، یمن، عراق اور مشرق میں بھی یہی صورتحال ہوگی لیکن شام میں علم و ایمان باقی رہے گا اور اس کے لیے لڑنے والوں کو ہر وقت تائید و نصرت حاصل رہے گی (مجموع الفتاویٰ 4/449)

ملک شام پر فرشتے اپنے پر پچھاتے ہیں:

صحابی رسول حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا: شام کیلئے بھلائی ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس

وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: اس لئے کہ رحمن کے فرشتے ان پر اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ (رواہ الترمذی وصححہ الألبانی)

فتنوں کے دور میں ایمان شام میں ہوگا:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ایک بنیادی حصہ مجھ سے واپس لیا جا رہا ہے۔ میری نظروں نے اس کا تعاقب کیا، ادھر سے بہت نور پھوٹ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شام میں رکھ دی گئی ہے۔ پس جب فتنے رونما ہوں تو ایمان شام میں ہوگا۔

[رواہ الإمام أحمد وصححہ الألبانی.]

جب اہل شام فساد کا شکار ہو جائیں تو پھر مسلمانوں میں کوئی خیر نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اہل شام فساد کا شکار ہو جائیں تو پھر تم میں کوئی خیر نہیں۔ میری امت میں سے ایک طبقہ نصرت مند رہے گا، جو لوگ ان کو بے یار و مددگار چھوڑیں گے وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ پائیں گے، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔“ (رواہ الإمام أحمد وصححہ الألبانی.) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مقدس کے رہنے والوں کے فساد کا شکار ہونے پر امت کے خیر کی نفی فرمائی، لہذا ایمان اور عمل صالح کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ ضروری ہے، مقدس مکان کے ساتھ مقدس عمل کا اجتماع کیا ہی خوبصورت ہوگا۔

اہل شام کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ ہمارے (ملک) شام میں برکت عطا فرما! اے اللہ ہمارے

پڑیں گے، لہذا (اس وقت) تم پر جہاد لازمی ہوگا، اور تمہارا رباط میں جہاد کرنا افضل ہوگا، اور تمہارا افضل رباط عسقلان ہوگا۔ (اخرج الطبرانی فی المعجم الکبیر، سلسلہ الصحیحہ: 3270)

’رباط‘ کا مطلب ہے آدمی کا حالت جنگ کیلئے کسی جگہ پر تیار اور حاضر پایا جانا۔ اس کیفیت میں ہونا کہ جنگ اب چھڑ سکتی۔ یا یہ کہ آدمی کو کسی جھڑپ کیلئے ابھی طلب کر لیا جائے گا یا ذرا ٹھہر کر۔ جنگ کے لئے آدمی کا محاذ پر ہونا اور مورچہ زن ہو رہنا۔ ایک حدیث میں ہے:

”رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما فیہا“ (متفق علیہ) ”اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔“ عسقلان ایک مشہور جگہ ہے، تاریخ میں اسے عروس الشام کہا گیا ہے، اور فلسطین کے شہروں سے متعلق انسائیکلو پیڈیا میں تحریر ہے: عسقلان اپنی طویل تاریخ میں معیشت کا حامل ایک ساحلی شہر شمار کیا جاتا رہا، اس کی سمندری بندرگاہ اور فلسطین و مصر کی سرحدوں سے قریب اس کے اسٹریٹجک جائے وقوع کی وجہ سے اس شہر کی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے، سمندر سے گزرنے والے تمام تجارتی اور جنگی قافلوں کو اسی شہر سے گزرنا پڑتا ہے۔ تاریخ میں کوئی بھی لشکر عسقلان پر کنٹرول حاصل کیئے بغیر فلسطین کو فتح نہیں کر سکا، اسی طرح اسلامی ادوار میں بھی عسقلان کی اہمیت میں کمی نہیں آئی۔

مذکورہ بالا حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظیم دلیل ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ ”پھر قومیں اقتدار پر گدھوں کی مانند ٹوٹ پڑیں گی“ مسلمانوں کی موجودہ صورتحال کی جانب یہ آپ کا

ہونچکی تو اس دن زلزلے، بلائیں، مصیبتیں، بڑے بڑے حادثات، اور قیامت لوگوں سے اس سے زیادہ قریب ہونگے جتنا میرا ہاتھ تمہارے سر سے قریب ہے۔ (صحیح الجامع)

ارض مبارکہ میں عمارت کا حقدار کون؟

ارض مبارکہ میں عمارت کے حقدار صرف موحدین مسلمان ہونگے، اور یہ سرزمین قیامت تک مسلمانوں کی چھاؤنی اور شہر جہاد ہوگا، لہذا احادیث

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ایک بنیادی حصہ مجھ سے واپس لیا جا رہا ہے۔ میری نظروں نے اس کا تعاقب کیا، ادھر سے بہت نور پھوٹ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شام میں رکھ دی گئی ہے۔ پس جب فتنے رونما ہوں تو ایمان شام میں ہوگا۔“

میں اس سرزمین میں رہائش اختیار کرنے، دعوت توحید کو عام کرنے اور اس میں رہائش پذیر اہل حق کے ساتھ تعلق بڑھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ عسقلان شام کی سرحدوں میں سے ایک سرحد ہے:

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ سب سے پہلے نبوت و رحمت ہوگی، پھر خلافت اور رحمت ہوگی، پھر ملوکیت اور رحمت ہوگی، پھر لوگ اس پر گدھوں کی طرح ٹوٹ

یمن میں برکت عطا فرما! صحابہ نے کہا: اور ہمارے نجد میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ہمارے (ملک) شام میں برکت عطا فرما! اے اللہ ہمارے یمن میں برکت عطا فرما! صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد میں؟ صحابہ کا ارادہ تھا کہ آپ اہل نجد کے لیے بھی دعا کریں، لیکن آپ نے ان کے لیے دعا نہیں فرمائی، البتہ یہ فرمایا: یہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور یہیں سے شیطان کی سینگ طلوع ہوگی۔

جنگ عظیم کے وقت مسلمانوں کا خیمہ دمشق میں ہوگا:

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنگ عظیم کے وقت مسلمانوں کا خیمہ (فیلم ہیڈ کوارٹر) شام کے شہروں میں سب سے اچھے شہر دمشق کے قریب ”الغوطہ“ کے مقام پر ہوگا۔ (سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم)

شام سرزمین ہے حشر کی اور نشر کی:

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شام حشر اور نشر کی سرزمین ہے۔

لہذا سرزمین شام ہی مقدس اور مبارک سرزمین ہے، اللہ کی زمین میں یہی خطہ زمین اللہ کی بہترین زمین ہے، یہ سرزمین جہاد و رباط ہے، یہ اللہ کے بندوں کی جماعت کا مرکز ہے، اللہ کے بندوں کی یہی جماعت طائفہ منصورہ ہے۔ آخری زمانے میں بلاد شام خلافت اسلامیہ کا مرکز ہوگا: ابو حوالہ ازدیؓ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر یا میرے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا پھر فرمایا: اے ابن حوالہ! جب دیکھو کہ ارض مقدسہ میں خلافت قائم

میں نمایاں رہیں گے، معاصی سے بچنے والے ہوں گے، سجدہ ریز پیشانیوں، متحدہ قلوب اور باوضو ہاتھوں میں اللہ کی مدد آکر رہے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، يُعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُ بِي شَيْءٌ، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ“ (النور: 55)

ترجمہ: تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جمادے گا جسے ان کے لئے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف و خطر کو وہ امن و امان سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ ناشکری اور کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔

بالآخر انجام کار مسلمانوں کے ہی حق میں ہوگا: اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں یہ بھی شامل ہے کہ انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہوگا، گرچہ اس کے لئے ایک زمانہ بھی لگ سکتا ہے یا پھر بہت بھی ہو سکتا ہے، اللہ کا دین چاہے ہمارے ذریعے یا کسی اور کے ذریعے ضرور غالب ہو کر رہے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ“ (الصف: 9)

ترجمہ: اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک برا مانیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس مدد کی آمد ممکن ہے بندوں کی نظر میں معجل ہو یا موخر، بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مقدس کی اصل بنیاد اسلام قرار دیا ہے، اسلام ہی ارض مقدس کا مستقبل اور زندگی ہے، ارض مقدس کی ترقی و خوشحالی اور اس سرزمین میں امن و امان دین اسلام کے ذریعے ہی ممکن ہے، اور اس سرزمین کے باشندے توحید، نماز اور فرائض اسلامی کی ادائیگی

اشارہ تھا کہ مسلمان اختلاف اور آپسی خلفشار کی وجہ سے اقتدار کے لیے لڑیں گے، اس وجہ سے آپ نے فرمایا: تمہارا افضل رباط عسقلان ہے جس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ یہ رباط بلاد شام ہے اور بلاد شام کو کفار لچکائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے، بلاد شام کی قدیم تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سرزمین ہر زمانے میں اسٹریٹجک اہمیت کی حامل رہی، اور اس پر کنٹرول حاصل کرنے سے مراد فلسطین کے شمالی و جنوبی اور مشرقی تمام علاقوں تک اپنا کنٹرول آسان کرنا ہے۔

غنائم اور رزق کی سرزمین:

ابو امامۃ الباہلیؒ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اللہ نے میرا رخ شام کی طرف کیا ہے اور میری پیٹھ یمن کی طرف اور مجھے کہا ہے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے تمہارے سامنے غنیمتوں اور رزق کو رکھا ہے اور تمہارے پیچھے مدد رکھی ہے۔ (ترمذی اور اس کو البانی نے صحیح الجامع میں صحیح کہا ہے)



”اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَلِلَّهِ الْحَمْدُ“۔

عید الاضحیٰ پر ہم کیا کریں؟

محمد نجیب اللہ، ریاض

اللہ تعالیٰ جس قدر عرفہ کے دن لوگوں کو آگ سے آزاد فرماتا ہے اس سے زیادہ کسی اور دن آزاد نہیں کرتا۔

یومِ عرفہ کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ ایک سال گذشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

آخرت کی زادراہ تیار کرے اس سفر کے لیے سامان جمع کرے جو انتہائی طویل ترین اور سخت ترین اور مشکل ترین ہے ایسا سفر جس پر سب نے جانا ہے چاہے کوئی اس کی تیاری کرے یا نہ کرے۔۔

ذوالحجہ حرمت و عرت والا مہینہ

قمری سال کے آخری مہینہ کا نام ذی الحجہ ہے یہ مہینہ ان حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق ہی کے وقت سے محترم بنا رکھا ہے ذوالحجہ کا مہینہ ان حرمت والے مہینوں میں سے ہے جس کا ذکر قرآن میں ہوا ہے اور اس مہینہ کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ اس میں اسلام کا عظیم رکن حج ادا کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق یہ حرمت والے مہینے چار ہیں یعنی ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب۔ جیسا کہ

بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اسی طرح کچھ مہینوں کو کچھ مہینوں پر کچھ دنوں کو کچھ دنوں پر کچھ راتوں کو کچھ راتوں پر اور کچھ وقتوں کو کچھ وقتوں پر فضیلت اور بزرگی عطا فرمائی ہے رب العالمین کی جانب سے نیکیوں کی یہ خصوصی لمحات اسلئے عطا کیے گئے تاکہ اس کے بندے نیکیوں کے اس موسم کو غنیمت جانیں اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر کے اجر عظیم حاصل کر لیں ان اشرف و اعلیٰ اوقات میں عشرہ ذی الحجہ بھی شامل ہے قرآن اور سنت رسول میں ذی الحجہ کے پہلے دس ایام کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے نیکیوں کے خاص موسم کو اگر ہم آج کل کی زبان میں نیکیوں کا ”سیل“ کہیں تو بے جا نہیں لہذا ایک عقل مند انسان کے لیے ضروری ہے کہ ان دنوں کو ضائع نہ کرے اور اپنے لیے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الفآلہ) کو بے شمار خصوصیات عطاء فرمائی ہیں من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے نیکی و اطاعت کے لیے کچھ خاص اوقات مقرر فرما دیے ہیں جن میں اعمالِ صالحہ کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور باری تعالیٰ کی رحمت کاملہ بطور خاص متوجہ ہوتی ہے تاکہ لوگ اس میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کر کے اپنے رب کا قرب حاصل کر سکیں خوش قسمت اور سعادت مند ہیں وہ لوگ جو ایسے لمحات و اوقات کی قدر کر کے ان سے صحیح فائدہ اٹھاتے ہیں اور لاپرواہی و سستی اور غفلت و کوتاہی کی بجائے خوب محنت کرتے ہیں اور اپنی آخرت کے لیے زادراہ جمع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے اپنی مخلوق میں سے

بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔

ماہ ذوالحجہ کی فضیلت:

ذوالحجہ کا مہینہ چار برکت اور حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ اس مبارک مہینہ میں کثرتِ نوافل، روزے، تلاوت قرآن، تسبیح و تہلیل، تکبیر و تقدیس اور صدقات و خیرات وغیرہ اعمال کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اور بالخصوص اس کے پہلے دس دنوں کی اتنی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عشرہ کی دس راتوں کی قسم فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

”وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوُتْرِ وَاللَّيْلِ إِذَا يَنْصَرُّ“
قسم ہے مجھے فجر کی عید قربان کی اور دس راتوں کی جو ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ اور قسم ہے جفت اور طاق کی جو رمضان المبارک کی آخری راتیں ہیں، اور قسم ہے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی رات کی۔

عشرہ ذی الحجہ کی کچھ خصوصیات

(۱) اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی قسم اٹھائی ہے جو کہ ان کے شرف و فضل و عظمت پر دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی عظیم مخلوقات کے ساتھ ہی قسم اٹھاتے ہیں جیسے زمین و آسمان، سورج، چاند اور ستارے اور عظیم اوقات مثلاً فجر، عصر، دن، رات اور عظیم مقامات مثلاً مکہ مکرمہ اور کوہ طور وغیرہ کی قسم اٹھائی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ اپنے مخلوقات میں کسی کی بھی قسم اٹھائے لیکن مخلوق کو سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں۔

(۲) ان دس ایام میں کیا گنیا نیک عمل دیگر دنوں میں کیے گئے نیک اعمال سے اللہ تبارک و تعالیٰ کو زیادہ

محبوب ہے اور خصوصی طور پر ان ایام میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا گیا۔ ”عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من أيام أعظم عند الله ولا أحب إليه العمل فيهن من هذه الأيام العشر فأكثروا فيهن من التكبير والتهليل والتحميد. (رواه أحمد)
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہذا تم ان دنوں میں تسبیح و تہلیل اور تکبیر و تحمید کثرت سے کیا کرو۔“ (طبرانی)

ان ایام میں ہر شخص کو تکبیر تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیر تشریق کے کلمات یہ ہیں: ”اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَاللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، وَاللَّهُ أَحْمَدُ۔“

عرفہ کے دن کا روزہ:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ (صحیح مسلم)
مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفہ کے دن کا ایک روزہ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ لہذا نوایں ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں۔

وضاحت: اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ کا دن الگ الگ دنوں میں ہوتا ہے مثلاً کئی اشکال نہیں؛ کیونکہ یوم عید الفطر، یوم عید الاضحیٰ، شبِ قدر اور یوم عاشورہ کے مثل ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ

کے روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی، انشاء اللہ۔
(۳) یوم الترویہ بھی ان دس دنوں میں ہے اور وہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ ہے جس میں حج کے اعمال شروع ہو جاتے ہیں

(۴) یوم عرفہ بھی ان دس دنوں میں ہے اور وہ ایک عظیم فضائل و برکات کا دن ہے گناہوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا دن ہے اور حج کا رکن اعظم ”وقوف عرفہ“ ہی ہے یہ دن انتہائی شرف و فضیلت کا حامل ہے بلکہ اگر عشرہ ذی الحجہ میں سوائے یوم عرفہ کے اور کوئی قابل ذکر یا اہم شے نہ بھی ہوتی تو یہی اس کی فضیلت کے لیے کافی تھا۔ یوم عرفہ کی فضیلت میں کئی احادیث مروی ہیں امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس قدر عرفہ کے دن لوگوں کو آگ سے آزاد فرماتا ہے اس سے زیادہ کسی اور دن آزاد نہیں کرتا۔ ”عن عائشہ رضي الله عنها أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال:- ما من يوم أكثر من أن يعتق الله فيه عبداً من النار من يوم عرفه وإنه ليدنو ثم يباهي ملائكة فيقول: ما أَرَادَ هَؤُلَاءِ؟ (أخرجه مسلم والحاكم في المستدرک وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه.)

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان یوم عرفہ کے علاوہ کسی اور دن میں اتنا چھوٹا حقیر و ذلیل اور غضبناک نہیں دیکھا گیا۔ یہ محض اس لیے ہے کہ اس دن میں وہ اللہ کی رحمت کے نزول اور انسانوں کے بڑے گناہوں کی معافی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ البتہ بدر کے دن شیطان نے اس سے بھی بڑی چیز دیکھی تھی عرض کیا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر اس نے کیا دیکھا؟ فرمایا:- جبریل کو جو فرشتوں کی صفیں

ترتیب دے رہے تھے۔

(۵) اسی عشرہ میں عظیم عبادات جمع ہوتی ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی ^{رحمہ اللہ} فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر عشرہ ذی الحجہ کے امتیاز کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑی بڑی عبادات جمع ہو جاتی ہیں، یعنی نماز، روزہ، صدقہ اور حج ان کے علاوہ دیگر ایام میں ایسا نہیں ہوتا۔

(۶) لیلة الجمع ان ایام میں ہے اور وہ مزدلفہ کی رات ہے عرفات میں وقوف کے بعد جس میں حجاج کرام دسویں ذی الحجہ کی رات گزارتے ہیں۔

(۷) اسلام کا پانچواں عظیم الشان رکن و بنیاد یعنی حج بھی ان ایام میں ادا کیا جاتا ہے

(۸) یوم النحر بھی ان ایام میں ہے اور وہ دسویں ذی الحجہ کا دن ہے جس کو حدیث میں ”اعظم ایام الدنیا“ کہا گیا بعض علماء کے نزدیک یوم نحر پورے سال میں سب سے افضل ہے۔ ”عن عبد اللہ بن

قُوط ^{رضی اللہ عنہ} عن النبی ^{صلی اللہ علیہ وسلم} قال ان اعظم الايام عند

اللہ تبارک وتعالیٰ یوم النحر ثم یوم القَرّ (رواہ ابوداؤد)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں سب سے عظمت والا دن

یوم نحر (دس ذی الحجہ) ہے پھر یوم القر (یعنی اس

سے اگلا گیارہ ذی الحجہ کا دن) ہے۔ القَرّ، قرار

(ٹھہرنے) سے ہے کیونکہ اس میں لوگ منیٰ میں

قیام کرتے ہیں لہذا اس وجہ سے اسے

”یوم القَرّ“ کہا گیا

(۹) ”قوله تعالى: وَوَاعَدْنَا مُوسَى ثَلَاثِينَ لَيْلَةً

وَأَتَمَّمْنَاهَا بِعَشْرِ فَنَتَمَّ بِبَقَاتٍ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَى

لَأُخْبِيَهُ هَآؤُنِ أَخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ

الْفُفْسِيْدِيْنَ“ (سورة الأعراف الآية ۱۲۲) اور وعدہ

کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو

اور دس سے پس پوری ہوگی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ۔

حافظ ابن کثیر بھی فرماتے ہیں کہ: اکثر علماء کے نزدیک ثلاثین سے ذوالقعدہ کے تیس دن اور عشر سے ذی الحجہ کے دس دن مراد ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

عشر ذی الحجہ میں خاص طاعات و عبادات

حج و عمرہ کی ادائیگی۔ عشرہ ذی الحجہ میں کیے جانے

والے تمام اعمالِ صالحہ میں سے افضل عمل حج بیت

اللہ اور عمرہ کی ادائیگی ہے اور بخاری شریف میں ہے

اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے

کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری

میں اپنی جان و مال و وقت

ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ حج

مبرور سے مراد وہ حج ہے جو سنت نبوی کے مطابق کیا

جائے جس میں ریاکاری نمود و نمائش اور شہرت کی

بات اور کسی قسم کی معصیت و نافرمانی نہ کی جائے

بلکہ نیکی اور بھلائی کے کام زیادہ سے

زیادہ کیے جائیں۔

ذکر اللہ و دعا و تلاوت کی کثرت

لقوله تبارک وتعالیٰ ”وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِيْ اَيَّامٍ

مَعْلُوْمَاتٍ“ ذوالحجہ کے ان پرانوار ایام میں ذکر الہی

اور تکبیر و تحمید کا بھی کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے۔

حضرت ابن عمر ^{رضی اللہ عنہما} اور ابو ہریرہ ^{رضی اللہ عنہ} عشرہ ذی الحجہ کے

دوران بازار میں نکلتے تو تکبیرات کہتے اور انہیں سن کر لوگ بھی تکبیرات کہتے۔ سیدنا عمر فاروق ^{رضی اللہ عنہ} منیٰ میں اپنے خیمے میں تکبیرات کہتے اور مسجد والے لوگ ان کی آواز سن کر اس میں شریک ہو جاتے۔ اس

طرح منیٰ میں سیدنا ابن عمر ^{رضی اللہ عنہما} نمازوں کے بعد اپنے بستر پر، اپنے خیمے میں، اپنی مجلس میں اور چلتے ہوئے تکبیرات میں مشغول رہتے۔ لہذا ان تمام ایام میں زیادہ سے زیادہ آواز بلند تکبیرات کہنی

چاہئیں اسی طرح دعا بھی بکثرت کرنی چاہیے کیونکہ

ان مبارک لمحات میں قبولیت دعا کی زیادہ امید ہے

فرض نماز اور نوافل۔ نماز بھی جلیل القدر اور افضل

ترین عبادات میں شامل ہے۔ لہذا ہر مسلمان کو

بروقت اور باجماعت نماز ادا کر کے اس پر محافظت

اور ہیشگی کرنی چاہیے۔ عشرہ ذی الحجہ میں فرض

نمازوں پر خصوصی توجہ کے ساتھ ساتھ کثرت سے

نوافل بھی ادا کرنے چاہئیں۔

روزہ رکھنا۔ روزہ بھی نیک اعمال میں شامل ہے بلکہ

افضل ترین عمل ہے۔ اس کی عظمت شان اور علو

مرتبہ کی وجہ سے اللہ جل شانہ نے اسے اپنی ذات

کی طرف منسوب کیا ہے۔ رسول اللہ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے

عشرہ ذی الحجہ کے دیگر ایام میں سے ۹ ذی الحجہ (یوم

عرفہ) کے روزے کا بطور خاص ذکر کیا ہے اور اس

کی فضیلت بیان فرمائی کہ یوم عرفہ کے روزے

کے بارے میں مجھے اللہ سے امید ہے کہ یہ ایک

سال گزشتہ کے اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا

کفارہ ہوگا۔ لہذا ۹ ذوالحجہ کا روزہ رکھنا سنت ہے

کیونکہ رسول اللہ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے اس کی ترغیب دلائی

ہے اور خود بھی آپ ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے روزہ رکھا ہے۔

قربانی کی حقیقت!

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لیے رہا ہے، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وَكَيْلٌ آتِيَةٌ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّتَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلٰى مَا زَوَّجْتُمْ مِنْ بَهْمَةِ الْأَنْعَامِ“۔ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے۔ (سورۃ الحج ۳۴) لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم و عظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنت ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی؛ چنانچہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور اکرم ﷺ کی اتباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی جان و مال و وقت ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سوا ونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی جس میں سے ۶۳ اونٹوں کی قربانی آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ نے خر فرمائے۔ (صحیح مسلم، حجة النبی ﷺ) حضور اکرم ﷺ کا یہ عمل آپ ﷺ کے اس ارشاد (ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں) کا عملی اظہار ہے اور اس عمل میں اُن حضرات کا بھی جواب ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں کو پیسے تقسیم کر دیئے

جائیں۔ اسلام نے جتنا غریبوں کا خیال رکھا ہے اس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی، بلکہ انسانیت کو غریبوں اور کمزوروں کے درد کا احساس شریعت اسلامیہ نے ہی سب سے پہلے دلایا ہے۔ غرباء و مساکین کا ہر وقت خیال رکھتے ہوئے شریعت اسلامیہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم عید الاضحیٰ کے ایام میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اپنے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جیسا کہ ساری انسانیت کے نبی حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عید الاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (سنن دارقطنی، سنن کبریٰ للبیہقی)

دیگر اعمال صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب و مقصود رضاء الہی ہونی چاہیے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ”إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَنْحَتِيْ وَمِمَّا تَرَىٰ فِي الدِّنَارِ رِبَاً وَفِي الدِّنَارِ رِبَاً وَفِي الدِّنَارِ رِبَاً“ (سورۃ الانعام، ۱۶۲) میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مناسب اللہ کی رضامندی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ نیز اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ”لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَّنَالُهُ تَقْوٰى مِّنْكُمْ“ (سورۃ الحج)۔ اللہ کو نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں ہمیشہ قربانی کیا کرتے تھے باوجودیکہ آپ ﷺ کے گھر میں اشیاء خوردنی نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا۔ امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے،

حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کی ایک روایت بھی قربانی کے وجوب کی ہے۔ ہند، و پاک کے جمہور علماء نے بھی وجوب کے قول کو اختیار کیا ہے؛ کیونکہ یہی قول احتیاط پر مبنی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی قربانی کے وجوب کے قول کو اختیار کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ہے: ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ“ (اے نبی ﷺ) آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ اس آیت میں قربانی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور امر عموماً وجوب کے لیے ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر کیا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ“ میں جو نماز کا ذکر ہے، اس سے عید کی نماز مراد ہے اور ”وَانْحَرْ“ سے قربانی مراد ہے۔ مفسر قرآن شیخ ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں: (۱) عید کی نماز واجب ہے۔ (۲) قربانی واجب ہے۔

حضرت ابو ہریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ بھٹکے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱)، وسعت کے باوجود قربانی نہ کرنے پر آپ ﷺ نے سخت وعید ارشاد فرمائی اور اس نوعیت کی سخت وعید واجب کے چھوٹنے پر ہی ہوتی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ قربانی کرنا واجب ہے۔

قربانی کے لیے جانور کی عمر:

قربانی کے جانوروں میں بھیڑ اور بکرا بکری ایک

سال، گائے اور بھینس دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے؛ البتہ وہ بھیڑ اور دنبہ جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔
قربانی کے جانور میں شرکاء کی تعداد:

اگر قربانی کا جانور بکرا، بکری، بھیڑ یا دنبہ ہے تو وہ صرف ایک آدمی کی طرف سے کفایت کرتی ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بکری ایک آدمی کی طرف سے ہوتی ہے۔ (اعلاء السنن۔ باب ان البدنہ عن سبعة)

اگر قربانی کا جانور اونٹ، گائے یا بھینس ہے تو اس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات (آدمی) شریک ہو جائیں۔ (صحیح مسلم۔ باب جواز الاشتراک)
وضاحت: حجتہ الوداع اور صلح حدیبیہ کے موقع پر اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہوئے تھے، اس پر قیاس کر کے علماء امت نے فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی میں بھی اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

قربانی کے ایام:

قربانی کے تین ایام ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قرآن کی آیت ”وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایام معلومات سے مراد یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) اور اس کے بعد کے دو دن ہیں۔

(تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج ۶ ص ۲۶۱)
حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے

تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہیے۔ (صحیح بخاری۔ باب ما یؤکل من لحوم الاضاحی)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں؛ اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

وضاحت: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتداء اسلام میں تھی بعد میں اجازت دے دی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جاسکتا ہے۔ (مسند رک حاکم ج ۲ ص ۲۵۹)۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جب تین دن کے بعد گوشت رکھنے کی اجازت مل گئی تو تین دن کے بعد قربانی بھی کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ گوشت تو پورے سال بھی رکھا جاسکتا ہے تو کیا قربانی کی اجازت بھی پورے سال ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں۔ (موطا مالک۔ کتاب الضحایا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی کے دن ۱۰ ذی الحجہ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں؛ البتہ یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو قربانی کرنا افضل ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ج ۲ ص ۲۰۵)
وضاحت:

بعض علماء کرام نے مسند احمد میں وارد حدیث (كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ) کی بنیاد پر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی نہیں کر سکا تو ۱۳ ذی الحجہ کو بھی قربانی کی جاسکتی ہے؛ لیکن حضرت امام

ابوحنیفہؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں فرمایا ہے کہ قربانی صرف تین دن کی جاسکتی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خود اپنی کتاب میں وارد حدیث مذکورہ کے متعلق وضاحت کر دی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے تحریر کیا ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے تھی۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ قربانی کو صرف تین دن تک محدود رکھا جائے؛ کیونکہ حضور اکرم ﷺ یا کسی ایک صحابی سے بھی ۱۳ ذی الحجہ کو قربانی کرنا ثابت نہیں ہے۔

جو اوقات ولحاحات خصوصی اہمیت و فضیلت کے حامل ہوں تو ان کی قدر کرنا ضروری ہے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیکی و طاعت کی ان بابرکت ایام کا استقبال سچی توبہ و رجوع الی اللہ سے کرے اور ان ایام فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا پختہ عزم کرے اور اپنی آخرت کے لیے بڑھ چڑھ کر نیک اعمال کرے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان مبارک لحاحات میں ہر قسم کی معصیت اور نافرمانی سے اجتناب کرے کیونکہ مبارک لحاحات و مقامات میں جس طرح نیکی کا اجر و ثواب بہت بڑھ جاتا ہے اسی طرح گناہ و معاصی کی شدت و سزا بھی سخت ہو جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ راقم الحروف سمیت جمیع اہل اسلام کو ان مبارک و مختصر لحاحات و اوقات سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کی ظاہری و باطنی گناہوں سے محفوظ رکھے۔

گھوڑا حملہ کیوں نہیں کرتا

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخی کتاب میں لکھا ہے کہ سلطان ظاہر پیرس جو بہت بڑا مجاہد گزرا ہے اور جو دن رات جہاد میں مشغول رہتا تھا ان کے زمانے میں ایک مجاہد اپنے گھوڑے پر جہاد کیا کرتا تھا گھوڑا بہت عمدہ تھا اور نہایت چستی سے دشمن پر حملہ کیا کرتا تھا ایک موقع پر گھوڑے نے آگے بڑھنے اور دشمن پر حملہ کرنے سے بالکل انکار کیا چنانچہ مالک جتنا اسکو آگے بڑھنے کے لیے مارتا گھوڑا پیچھے کی طرف مڑتا تھا آگے بڑھنے کا نام نہیں لیتا تھا یہ آدمی حیران و پریشان ہوا کہ گھوڑے کو کیا ہو گیا جب رات آئی اور مالک سو گیا تو اس نے اپنے گھوڑے کو خواب میں دیکھا اور گویا یہ شخص خواب میں اپنے گھوڑے کی سرزنش کر رہا ہے کہ تو آگے کیوں نہیں بڑھ رہا تھا تو گھوڑے نے جواب میں کہا، میں دشمن کی طرف کیسے بڑھ سکتا ہوں حالانکہ آپ نے جو چارہ خرید لیا تھا اسکے بدلے میں آپ نے کھوٹہ سکھ دیا تھا، چنانچہ صبح یہ شخص چارہ والے کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ کل آپ نے جو درہم دیا تھا وہ کھوٹا تھا یہ کہہ کر اس نے درہم واپس کر دیا۔ دیکھی معمولی سے گناہ سے جہاد کو کتنا نقصان پہنچ گیا۔ مجاہدین بھائیوں کو چاہیے کہ وہ جہاد کے اس عظیم مبارک عمل کو اپنے نامناسب اعمال سے نقصان پہنچانے والے نہ بنیں تاکہ جہاد کی برکات سے خود بھی اور پورا عالم مبارک بن جائے اور فتوحات کے دروازے کھلیں اور شکست و فرار کے راستے بند ہو جائیں۔۔۔۔۔

خوفِ خدا

حضرت یحییٰ بن ایوب خزاعی سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک پرہیزگار جوان تھا، وہ مسجد میں گوشہ نشین رہتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وہ شخص بہت پسند تھا۔ اس جوان کا بوڑھا باپ زندہ تھا اور وہ شخص عشاء کے بعد اپنے بوڑھے باپ سے ملنے روزانہ جایا کرتا تھا۔ راستہ میں ایک عورت کا مکان تھا، وہ اس جوان پر فریفتہ ہو گئی اور بہکانے لگی، روزانہ دروازے پر کھڑی رہتی اور جوان کو دیکھ کر بہکایا کرتی۔ ایک رات اس شخص کا گزر ہوا تو اس عورت نے بہکانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ شخص اس کے پیچھے ہو گیا، جب وہ اس عورت کے دروازے پر پہنچا تو پہلے عورت اپنے مکان میں داخل ہو گئی پھر یہ شخص بھی داخل ہونے لگا، اچانک اس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور یہ آیت اس کی زبان سے بے ساختہ جاری ہو گئی۔ ”إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ“ (اعراف 201) ”بے شک جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں جب انہیں شیطان چھوتا ہے وہ چونک جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔“

اور پھر غش کھا کر وہیں دروازے پر گر پڑا۔ اندر سے عورت آئی، یہ دیکھ کر کہ جوان اس کے دروازے پر بے ہوش پڑا ہے، اس کو اپنے اوپر الزام آنے کا اندیشہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنی ایک لونڈی کی مدد سے اس جوان مرد کو وہاں سے اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال دیا۔ ادھر بوڑھا باپ اپنے لڑکے کی آمد کا منتظر تھا، جب بہت دیر تک وہ نہ آیا تو اس کی تلاش میں گھر سے نکلا، دیکھا کہ دروازے پر بے ہوش پڑا ہے۔ بوڑھے نے اپنے گھر والوں کو بلایا، وہ اس کو اٹھا کر اپنے گھر کے اندر لے گئے۔ رات کو وہ جوان ہوش میں آیا۔ باپ نے پوچھا بیٹا! تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے جواب دیا، خیر یہ ہے۔ باپ نے واقعہ کی حقیقت دریافت کی تو اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا، پھر باپ نے پوچھا وہ کون سی آیت تھی جو تو نے پڑھی تھی؟ یہ سن کر بیٹے نے مذکورہ بالا آیت پڑھ کر سنا دی اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا، اس کو بلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ مر چکا ہے، چنانچہ رات ہی کو دفن کر دیا گیا۔ جب صبح ہوئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے انتقال کی خبر ملی تو مرحوم کے بوڑھے باپ کے پاس تعزیت کیلئے گئے، تعزیت کے بعد شکایت کی کہ مجھے خبر کیوں نہ دی۔ اس نے کہا امیر المؤمنین! رات ہونے کی وجہ سے اطلاع نہ دے سکے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ قبر پر جا کر فرمایا، اے شخص ”وَلَمِنَ خَافٍ مَقَامُ رَبِّهِ جَنَّاتٍ“ اور اس شخص کیلئے جو خدا سے ڈرتا ہے دو باغ ہیں“ (الرحمن)۔ اس شخص نے قبر کے اندر سے جواب دیا۔ ”يَا عُمَرُ قَدْ أَعْطَانِيهَا رَبِّي فِي الْجَنَّةِ“۔ ”اے عمر اللہ نے مجھے دونوں جنتیں دے دی ہیں۔“

بحوالہ: ابن عساکر، موت کا جھوٹا 367